سورۂ ن والقلم

ایاتہا ۵۲ ۔ ۶۸ سُوْرَۃُ الْقَلَمِ مَکِّیَّۃٌ ۲ ۔ رکوعاتہا ۲

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: اوّل سے لے کر سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾ تک مکی ہے اور اس کے بعد سے لے کر اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ تک مدنی ہے۔ اس کے بعد سے يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ تک مکی ہے اور اس سے لے کر مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ تک مدنی ہے اور باقی ماندہ مکی ہے؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾

''ن قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں، اور یقیناً آپ کے لیے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا''۔

نٓ وَالْقَلَمِ ابوبکر، مفضل،، ہبیرہ، ورش، ابن محیصن، ابن عامر، کسائی اور یعقوب نے دوسری نون کو واؤ میں مدغم کیا ہے باقی قراء نے اظہار کیا ہے۔ عیسیٰ بن عمر نے اس کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے، گویا فعل کو مضمر مانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، نصر اور ابن ابی اسحاق نے حرف قسم کو مضمر ماننے کے ساتھ اسے مکسور پڑھا ہے۔ ہارون، محمد بن سمیقع اور معاویہ بن قرہ نے مبنی ہونے کی وجہ سے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اپنے باپ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ فرمایا: ''نٓ نور کی ایک لوح ہے'' (2)۔ ثابت بنانی نے روایت کیا ہے کہ نٓ سے مراد دوات ہے (3)؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ ولید بن مسلم نے روایت کی ہے کہ مالک بن انس، سمی سے جو ابوبکر کے غلام ہیں (4)، وہ ابو صالح سمان سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا پھر نون کو پیدا کیا، یہ دوات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: نٓ وَالْقَلَمِ سے یہی مراد ہے پھر اسے فرمایا: لکھ! اس نے عرض کی: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب لکھو، خواہ وہ عمل ہو، اجل ہو، رزق ہو یا اثر ہو۔ قیامت تک جو ہونے والا تھا، حکم اس میں جاری ہو گیا۔ پھر قلم کے منہ پر مہر لگا دی گئی پھر اس نے نہ کچھ لکھا اور نہ قیامت

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 59
2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 345
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 181
4۔ احکام القرآن، جلد 4، صفحہ 1855

تک لکھے گا۔ پھر عقل کو پیدا کیا گیا۔ جبار نے ارشاد فرمایا: میں نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو تجھ سے بڑھ کر مجھے پسند ہو۔ میری عزت وجلال کی قسم! میں جس سے محبت کرتا ہوں گا اس میں تجھے مکمل کروں گا اور جس سے ناراض ہوں گا۔ اس میں تجھے ناقص رکھوں گا''۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أکمل الناس عقلاً أطوعهم لله وأعملهم بطاعته (1) لوگوں میں سے ازروئے عقل کے سب سے کامل وہ ہیں جو سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہیں اور اس کی طاعت میں زیادہ عمل کرنے والے ہیں۔

مجاہد نے کہا: نٓ سے مراد وہ مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے اور قلم سے مراد وہ قلم ہے جس کے ساتھ ذکر لکھا گیا ہے: اسی طرح مقاتل، مرہ ہمدانی، عطا خراسانی، سدی اور کلبی نے کہا: نون سے مراد وہ مچھلی ہے جس پر سات زمینیں قائم ہیں۔ ابوظبیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے (2): سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تو جو کچھ ہونے والا تھا اس نے وہ لکھ دیا، پھر پانی کے بخار کو اٹھایا تو اس سے آسمان کو بنایا پھر مچھلی کو پیدا کیا تو اس کی پشت پر زمین کو بچھا دیا۔ زمین جھک گئی تو اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا، بے شک پہاڑ زمین پر فخر کرتے ہیں پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: نٓ وَالْقَلَمِ کی قرات کی۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: اس مچھلی کا نام بہموت ہے۔ راجز نے کہا:

مالی أراکم کلکم سکوتا و الله رَبِّی خلق البهموت

کیا وجہ ہے میں تم سب کو خاموش دیکھتا ہوں اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے بہموت کو پیدا کیا ہے۔

ابوظبیان اور واقدی نے اس کا نام لیوث لیا ہے (3)۔ کعب نے کہا: اس کا نام لوثوث ہے۔ کہا: اس کا کام بلہموث ہے۔ کعب نے کہا: ابلیس مچھلی میں داخل ہو گیا جس مچھلی پر زمینیں ہیں اس نے مچھلی کے دل میں وسوسہ اندازی کی۔ کہا: اے لوثوث! کیا تو جانتی ہے تیری پشت پر چوپاؤں، درختوں اور زمینوں وغیرہ میں سے کیا کچھ ہے اگر تو انہیں پھینکنا چاہے تو تو ان سب کو اپنی پشت سے نیچے پھینک دے۔ لثوث نے اس طرح کرنے کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف ایک جانور بھیجا وہ اس مچھلی کے نتھنے میں داخل ہوا اور اس کے دماغ تک جا پہنچا۔ مچھلی نے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور آہ وزاری کی اللہ تعالیٰ نے اس جانور کو اجازت دے دی تو وہ جانور نکل گیا۔ کعب نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتا اور مچھلی اس کی طرف دیکھتی اگر اللہ اس میں سے کسی چیز کا ارادہ کرتا تو جس طرح وہ پہلے تھی اسی طرح ہو جاتی۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نٓ لفظ رحمن کا آخری حرف ہے فرمایا: الٓرٰ، حٰمٓ، نٓ مجموعہ رحمن ہے ان حروف کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا گیا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ قسم ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ قسم اٹھائی ہے (4)۔ ابن کیسان نے کہا: سورت کا آغاز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت کا نام ہے۔ عطا اور ابو العالیہ نے کہا: یہ اس کے اسماء نصیر، نور اور ناصر کا آغاز ہے (5)۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی کہ وہ مومنوں کی مدد فرمائے گا۔ یہ حق ہے۔ اس کی وضاحت

1۔ تفسیر طبری، جز 29، صفحہ 20
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 424
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً جلد 5، صفحہ 425
5۔ تفسیر طبری، جز 29، صفحہ 21

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الروم)۔ امام جعفر صادق نے کہا: یہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر ہے جسے نون کہتے ہیں (1)۔ ایک قول یہ کیا: یہ حروف معجم میں سے ایک ہے کیونکہ اگر یہ کوئی اور چیز ہوتی تو یہ معرب ہوتا۔ ابونصر عبدالرحیم قشیری نے اسے پسند کیا ہے۔ فرمایا: نٓ حرف ہے اس پر اعراب نہیں۔ اگر یہ مکمل قلم ہوتا تو اس پر اسی طرح اعراب ہوتا جس طرح قلم پر اعراب دیا جاتا ہے یہ حرف تہجی ہے جس طرح باقی سورتوں کے آغاز میں ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے: یہ سورت کا نام ہے یعنی یہ سورۂ نون ہے پھر فرمایا: وَالْقَلَمِ۔ قلم کی قسم اٹھائی کیونکہ اس کے ذریعے ہی وضاحت کی جاتی ہے جس طرح زبان کے ساتھ وضاحت کی جاتی ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس حکم پر ہوتا ہے جس کے ساتھ لکھا جاتا ہے وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو۔ اسی معنی میں ابوالفتح بستی کا قول ہے:

كفى قلم الكُتَّابِ عزًّا و رفعةً مَدَى الدهرِ أن الله أقسم بالقلَمِ

کاتبوں کے قلم کے لیے طویل زمانہ تک یہ عزت و رفعت میں کافی ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم اٹھائی ہے۔

شعراء کے بے شمار ایسے الفاظ ہیں جن میں قلم کو تلوار پر فضیلت دی گئی ہے۔ جس کو ہم نے ذکر کیا ہے وہ ان سب سے اعلیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اس قلم کی قسم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تو قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اس نے وہ لکھ دیا۔ کہا: یہ قلم نور کا ہے اس کی لمبائی اتنی ہے جتنی آسمان اور زمین کے درمیان مسافت ہے (2)۔ یہ کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا پھر اس کی طرف دیکھا تو اس میں شق پیدا ہو گیا فرمایا: چل پڑ۔ قلم نے عرض کی: اے میرے رب! میں کس کے ساتھ جاری ہوں؟ فرمایا: قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اس کو لکھنے کے ساتھ چل پڑ۔ تو وہ لوح محفوظ پر جاری ہو گیا۔ ولید بن عبادہ بن صامت نے کہا: میرے والد نے اپنے وصال کے موقع پر وصیت کی اور کہا: اے بیٹے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو! تو کبھی بھی متقی نہیں بنے گا اور علم تک نہیں پہنچ سکے گا یہاں تک کہ تو اللہ وحدہ لا شریک پر ایمان لائے، اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لائے (3)۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا ہے اسے فرمایا: لکھ۔ اس نے عرض کی: میں کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ، قلم اس لمحہ لکھنے لگی جو کچھ ہو چکا تھا اور ہمیشہ کے لئے جو کچھ ہونے والا تھا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اسے حکم دیا جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھتا جائے اس نے جو کچھ لکھا اس میں یہ بھی لکھا تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ۔ قتادہ نے کہا: قلم بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اوّل قلم کو پیدا کیا جو کچھ ہونے والا تھا اس نے لکھ دیا (4) اسے اپنے عرش پر اپنے پاس رکھ دیا، پھر دوسرے قلم کو پیدا کیا تا کہ اس کے ساتھ زمین میں لکھے جس کی وضاحت سورۂ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ میں آ رہی ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 93
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 425
3۔ جامع ترمذی، ابواب التفسیر، جلد 5، صفحہ 166
4۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1855

وَ مَا یَسْطُرُوْنَ ۝ اور جو وہ لکھتے ہیں، مراد فرشتے ہیں جو انسانوں کے اعمال لکھتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جسے لوگ لکھتے ہیں اور جس کے ذریعے ایک دوسرے کی بات سمجھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: وَ مَا یَسْطُرُوْنَ ۝ کا معنی ہے جو وہ جانتے ہیں ما موصولہ ہے یا مصدریہ ہے مراد مسطور ہے یا سطر ہے، مراد ہوگا جو کوئی لکھتا ہے یا جسے حفظہ فرشتے لکھتے ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ یہ جواب قسم ہے اور جملہ منفیہ ہے۔ مشرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا کرتے تھے: یہ مجنوں ہے، اس کا ایک شیطان ہے نعوذ باللہ(2)۔ وہ ان کا یہ قول تھا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ (الحجر) اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اور ان کے قول کی تکذیب کرتے ہوئے اس آیت کو نازل فرمایا۔ یہاں نعمت رحمت کے معنی میں ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی رحمت کے ساتھ مجنون نہیں۔ دوسری تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ یہاں نعمت قسم کے معنی میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی تیرے رب کی نعمت کی قسم! آپ مجنون نہیں کیونکہ واؤ اور باء حروف قسم میں سے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: ما انت بمجنون و الحمد للہ(3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام کا یہ معنی ہے ما أنت بمجنون و النعمة لربك جس طرح ان کا قول ہے: سبحانك اللهم وبحمدك یعنی والحمدللہ۔ اسی معنی میں لبید کا یہ شعر ہے:

وأفردتُ فی الدنیا بفقد عشیرتی وفارقنی جارٌ بأربدَ نافعُ

اس شعر میں بأربد، وهو أربد کے معنی میں ہے۔ نابغہ کا شعر ہے:

لم یُحرَموا حُسنَ الغِذاء وأُمُّهم طَفَحَت علیك بناتق مِذكارِ

اس میں بھی بناتق، هو ناتق کے معنی میں ہے۔ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ مجنون کے متعلق ہے جس کی نفی کی گئی ہے جس طرح کلام مثبت میں غافل کے متعلق ہے۔ تیرا قول ہے: أنت بنعمة ربك غافل اس کا محل نصب ہے۔ یہ حال ہے گویا فرمایا: ما أنت بمجنون منعما علیك بذلك۔ وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا آپ کے لیے ثواب ہے کیونکہ آپ نبوت کے بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وہ نہ ختم ہوگا اور نہ اس میں کمی کی جائے گی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مننت الحبل جب تو رسی کو کاٹ دے حبل منین جب وہ مضبوط نہ ہو۔ شاعر نے کہا:

غُبْسًا کواسِبَ لا یُمَنّ طعامُها

یہاں بھی لا یمن، لا یقطع کے معنی میں ہے۔ ان کا کھانا ختم نہیں ہوتا۔ مجاہد نے کہا: غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ کا معنی ہے اس کا کوئی حساب نہ ہوگا(4)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اسے احسان جتلا کر گدلا نہ کیا جائے گا۔ ضحاک نے کہا: بغیر عمل کے اجر ہوگا(5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بغیر اندازہ کے ہوگا(6)۔ یہ فضل و احسان ہے کیونکہ جزا اندازے سے ہوتی ہے اور فضل و احسان اندازے کے بغیر ہوتا ہے: ماوردی نے اسے ذکر کیا ہے؛ یہ مجاہد کے قول کا معنی ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 60 2۔ ایضاً 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 426
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 61 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝

''بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

خلق سے مراد

مسئلہ نمبر 1۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: علی خلق سے مراد ہے دینوں میں سے عظیم دین پر۔ اللہ تعالیٰ کو اس دین سے بڑھ کر کوئی دین محبوب اور پسندیدہ نہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے: آپ کا خلق قرآن ہے (1)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور عطیہ نے کہا: اس سے مراد ادب قرآن ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنی امت کے لیے نرم دل ہونا اور ان کو اکرام سے نوازنا ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد ہے اللہ تعالیٰ جس کا حکم دے اس کو بجالانا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے اس سے رک جانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طبع کریم پر ہیں۔ ماوردی نے کہا: یہی معنی ظاہر ہے (3)۔ لغت میں خلق کا حقیقی معنی یہ ہے هو ما یأخذ به الإنسان نفسه من الأدب انسان اپنے نفس کے لیے جو ادب اپناتا ہے اسے خلق کہتے ہیں کیونکہ یہ چیز اس میں خلقت کی طرح ہو جاتی ہے۔ جس ادب پر اسے پیدا کیا جاتا ہے اسے خیم کہتے ہیں جس کا معنی سجیة اور طبیعة ہے۔ لفظوں میں اس کا کوئی واحد نہیں۔ خیم پہاڑ کا نام ہے۔ خلق ایسی فطرت ہے جس میں تکلف ہو اور خیم ایسی فطرت ہے جو پیدائشی ہو۔ اعشیٰ نے اسے اپنے شعر میں واضح کیا ہے:

وإذا ذُو الفضول ضَنَّ على المو ‌ لَى و عادت لخيمها الأخلاقُ

جب مالدار غلام پر بخل کرنے لگیں تو اخلاق اپنی طبع کی طرف لوٹ آئے۔

میں کہتا ہوں: میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو قول ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم میں موجود ہے وہ تمام اقوال سے اصح ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ سے دس آیات کو پڑھا۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ کر اخلاق میں کوئی اچھا نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ اور گھر والوں میں سے کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ بلایا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں کہا: لبیک۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ کوئی خلق محمود ذکر نہیں کیا گیا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اس میں وافر حصہ ہوتا۔ جنید بغدادی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلق کو عظیم کہا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا یہ کہنے کی کسی کی ہمت نہ تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلق کو عظیم نام دیا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں مکارم اخلاق جمع ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ادب سکھایا، اس کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اطاعت کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ (الاعراف) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے میرے رب نے اچھا ادب سکھایا کیونکہ ارشاد فرمایا: خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ

1۔ صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 256 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 426 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 61

بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف) جب میں نے اسے قبول کر لیا تو فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔''

خلق سے مراد اخلاق ہے

مسئلہ نمبر 2۔ امام ترمذی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اتق الله حیثما کنت واتبع السیئة الحسنة تمحها و خالق الناس بخلق حسن جہاں کہیں ہو اللہ سے ڈرو، برائی کے بعد اچھائی کرو جو برائی کو مٹا دے اور لوگوں کے ساتھ خلق حسن کے ساتھ معاملہ کرو (1)۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی وزنی چیز نہ ہوگی، بے شک اللہ تعالیٰ فحش یا وہ گوئی کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے (2)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ما من شیء یوضع فی المیزان أثقل من حسن الخلق وإن صاحب حسن الخلق لیبلغ به درجة صاحب الصلاة والصوم جو چیز میزان میں رکھی جاتی ہے حسن خلق سے بڑھ کر کوئی وزنی چیز نہ ہوگی۔ اچھے اخلاق والا نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے کے درجہ تک جا پہنچتا ہے۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے، اسی سند سے مروی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: سب سے زیادہ کونسی چیز لوگوں کو جنت میں داخل کرے گی؟ فرمایا: ''اللہ سے تقویٰ اور حسن خلق'' (3)۔ پوچھا گیا: کونسی چیز سب سے زیادہ لوگوں کو جہنم میں داخل کرے گی؟ فرمایا: ''منہ اور شرمگاہ''۔ کہا: یہ حدیث صحیح غریب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک سے مروی ہے: آپ نے حسن خلق کے بارے میں فرمایا: ترش روئی نہ کرنا، نیکی کرنا اور اذیت کو دور کرنا (4)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز مجھے سب سے محبوب اور میرے سب سے قریب وہ ہوگا جو تم میں سے اخلاق میں سب سے اچھا ہوگا'' (5)۔ فرمایا: ''قیامت کے روز تم میں سے سب سے زیادہ مبغوض اور مجلس میں سب سے دور وہ ہوگا جو ثرثارون (زیادہ باتیں کرنے والے) متشدقون (زبان دراز) اور متفیہقون ہیں''۔ صحابہ نے عرض کی: ہم ثرثارون اور متشدقون کو تو جانتے ہیں، یہ متفیہقون کون ہیں؟ فرمایا: ''متکبر''۔ اس بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۙ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

''عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے؟ بے شک آپ کا

1۔ جامع ترمذی، کتاب البر والصلہ، ماجاء فی معاشرۃ الناس، جلد 2، صفحہ 20۔ ایضاً، حدیث نمبر 1910، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ ایضاً، ماجاء فی حسن الخلق، جلد 2، صفحہ 21۔ ایضاً، حدیث نمبر 1925، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً، باب ماجاء فی معالی الاخلاق، جلد 2، صفحہ 22

رب خوب جانتا ہے ان کو جو اس کی راہ سے بہک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں''۔

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی ہے آپ عنقریب جان لیں گے اور وہ بھی قیامت کے روز جان لیں گے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ عنقریب دیکھ لیں گے اور وہ بھی قیامت کے روز دیکھ لیں گے جب حق اور باطل واضح ہو جائے گا (2)۔ بِاَیِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ باء زائدہ ہے، تقدیر کلام یہ ہے فستبصر ویبصرون أیکم المفتون یعنی جسے جنون کے ساتھ آزمائش میں ڈالا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ (المومنون: 20) یشرب بها عباد الله دونوں میں باء زائدہ ہے؛ یہ قتادہ، ابو عبید اور اخفش کا قول ہے۔ راجز نے کہا:

نحن بنو جَعْدَة أصحاب الفَلَج   نضرب بالسيف ونرجو بالفَرَج

ہم بنو جعدہ ہیں جو فلج شہر والے ہیں۔ ہم تلوار مارتے ہیں اور کشادگی کی امید رکھتے ہیں۔

بالسیف اور بالفرج میں باء زائدہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: باء زائدہ نہیں۔ معنی ہے تم میں سے کسے فتنہ لاحق ہے (3)؟ یہاں مفتون مصدر ہے اور مفعول کے وزن پر ہے۔ اس کا معنی فتون ہے جس طرح انہوں نے کہا: مالفلان مجلود ولا معقول یعنی اس کے ہاں عقل اور سختی نہیں؛ یہ قول حضرت حسن بصری، ضحاک اور حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ راعی نے کہا:

حتى إذا لم يتركوا لعظامه   لحمًا ولا لفؤاده معقولا

یہاں تک کہ انہوں نے اس کی ہڈیوں کے لیے گوشت اور دل کے لیے عقل نہ چھوڑی۔

یہاں معقول، عقل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں مضاف حذف ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی بأیکم فتنة المفتون۔ فراء نے کہا: باء، فی کے معنی میں ہے۔ آپ عنقریب دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھیں گے دونوں جماعتوں میں سے کون سی جماعت مجنون ہے؟ کیا وہ جماعت جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی مومن یا دوسری جماعت۔ مفتون سے مراد مجنون ہے جسے شیطان فتنہ میں ڈال دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتون سے مراد وہ ہے جسے عذاب دیا جائے۔ عربوں کا قول ہے: فتنت الذهب بالنار (4) جب تو اسے آگ پر گرم کرے؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝ (الذاریات) يُفْتَنُوْنَ یہاں یعذبون کے معنی میں ہے۔

اس سورت کا اکثر حصہ ولید بن مغیرہ اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتون سے مراد شیطان ہے کیونکہ اسے اس کے دین میں فتنہ میں ڈالا گیا (5)، وہ کہا کرتے تھے: إنّ به شيطان مراد مجنون ہی لیتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وہ کل جان لیں گے ان میں سے کون مجنون ہے یعنی وہ شیطان جس کے مس کرنے سے جنون اور عقل میں خلل واقع ہوتا تھا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ جو آدمی اس کے دین سے بھٹکتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ وَهُوَ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 62   2۔ ایضاً   3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 182

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 62   5۔ ایضاً

اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ۝ جو ہدایت پر ہیں انہیں بھی خوب جانتا ہے، تو قیامت کے روز وہ ہر کسی کو اسی کے عمل کا بدلہ دے گا۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ۝

''پس آپ بات نہ مانیں (ان) جھٹلانے والوں کی''۔

مشرکین کے ساتھ دوستی اور میلان سے منع کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بارے میں کچھ نہ کہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے کچھ نہ کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ ان کے ساتھ دوستی اور ان کی طرف میلان کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا۝ (الاسراء)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھٹلانے والوں کی ان باتوں میں اطاعت نہ کریں جن باتوں میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے خبیث دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ یہ آیت مشرکین قریش کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے اپنے آباء کے دین کی طرف دعوت دی۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ۝

''وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطیہ، ضحاک اور سدی نے کہا: انہوں نے پسند کیا کاش! تم کفر کرتے تو وہ اپنے کفر میں مزید آگے بڑھ جاتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا: انہوں نے پسند کیا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں رخصت دیں تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت دیں گے (1)۔ فراء اور کلبی نے کہا: اگر آپ نرمی کریں تو وہ بھی نرمی کریں گے۔ ادھان سے مراد اس کے لیے نرمی کرنا ہے جس کے لیے نرمی کرنا مناسب نہ ہو؛ یہ فراء کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: معنی ہے انہوں نے چاہا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف مائل ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق کو چھوڑ دیں تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مائل ہوں گے۔ ربیع بن انس نے کہا: انہوں نے چاہا اگر آپ جھوٹ بولیں تو وہ بھی جھوٹ بولیں گے (2)۔ قتادہ نے کہا: انہوں نے چاہا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس امر سے کنارہ کش ہو جائیں تو وہ بھی آپ کے ساتھ کنارہ کش ہو جائیں گے (3)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: انہوں نے پسند کیا اگر آپ اپنے دین میں ان کے ساتھ کوئی نرمی کریں تو وہ اپنے دین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نرمی کریں گے (4)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: انہوں نے پسند کیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بعض امور کو ترک کر دیں تو وہ اپنے بعض امور کو ترک کر دیں گے (5)۔ زید بن اسلم نے کہا: اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منافقت کریں اور ریاکاری کریں (نعوذ باللہ) تو وہ بھی منافقت کریں گے اور ریاکاری کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے پسند کیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کمزوری دکھائیں تو وہ بھی کمزوری دکھائیں گے (6)؛ یہ ابوجعفر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہوں نے پسند کیا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دین میں مداہنت دکھائیں تو وہ اپنے ادیان میں مداہنت دکھائیں گے (7)؛ یہ قول قتبی کا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عرصہ ان کے معبودوں کی عبادت کریں تو وہ ایک عرصہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معبودوں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 62 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 182
5۔ ایضاً 6۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 62 7۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 95

کی عبادت کریں گے۔ یہ بارہ اقوال ہیں۔ ابن عربی نے کہا: مفسرین نے اس میں دس کے قریب اقوال ذکر کیے ہیں۔ سب لغت اور معنی پر جھوٹے دعوے ہیں (1)۔ ان میں سے ان کا یہ قول ہے: ودوا لوتکذب فیکفرون، ودوا لوتکفر فیکفرون۔

میں کہتا ہوں: سب انشاء اللہ صحیح ہیں لغت اور معنی کے موافق ہیں کیونکہ ادھان کا معنی نرمی کرنا اور نرم رویہ اپنانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ادھان کا معنی دشمن سے حسن سلوک کرنا اور اس سے دوستی کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں قرب ظاہر کرنا اور قول میں نرمی کرنا۔

مفضل نے کہا: اس سے مراد نفاق اور باہم نصیحت کو ترک کرنا ہے (2)۔ اس توجیہ کی صورت میں یہ مذموم ہے اور پہلی توجیہ کی صورت میں مذموم نہیں۔ ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں۔ مبرد نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے ادھن فی دینه وداهن فی أمره یعنی اس نے اس میں خیانت کی اور جو چیز چھپائے ہوئے تھا اس کے خلاف ظاہر کیا۔ ایک قوم نے کہا: فَيُدْهِنُوْنَ کو عطف کے طریقہ پر چلایا ہے (3)۔ اگر نہی کے جواب کے طریقہ پر آتا تو اسے فیدھنوا ارشاد فرماتا۔ بے شک یہ ارادہ کیا انہوں نے تمنا کی اگر آپ ایسا کریں تو وہ بھی آپ کی مثل کریں گے۔ یہ عطف کے طور پر ہے۔ جزا اور مکافات کے طریقہ پر نہیں، یہ تمثیل و تنظیر ہے۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾

''اور بات نہ مانئے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی جو بہت نکتہ چینی، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا بڑا بدکار ہے، اکھڑ مزاج ہے اس کے علاوہ وہ بداصل ہے''۔

امام شعبی، سدی اور ابن اسحاق کے قول میں اخنس بن شریق مراد ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد اسود بن عبد یغوث یا عبد الرحمن بن اسود ہے، یہ مجاہد کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ولید بن مغیرہ ہے (5)۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مال کی پیشکش کی اور اس نے قسم اٹھائی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین سے رجوع کر لیں تو وہ یہ مال انہیں دے دے گا؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد ابو جہل بن ہشام ہے۔ حلاف سے مراد بہت زیادہ قسمیں اٹھانے والا۔ مہین سے مراد جس کا دل کمزور ہو؛ یہ مجاہد سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مراد سخت جھوٹا اور جھوٹ بولنے والا ذلیل ہوتا ہے (6)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شر میں بہت زیادہ آگے بڑھنے والا؛ یہ قول حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کیا ہے۔ کلبی نے کہا: مراد حقیر، فاجر اور عاجز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں حقیر۔ ابن شجرہ نے کہا: وہ ذلیل ہے۔ امانی نے کہا: حقیر و پست کیونکہ وہ بہت زیادہ قبیح عمل کرتا ہے۔ یہ مھانہ سے فعیل کا وزن ہے جس کا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1855
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 63
3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1856
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 63
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً

معنی قلت ہے۔ یہاں رائے اور تمیز میں قلت ہے یا یہ فعیل، مفعول کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی مہان (ذلیل کیا گیا) ہے۔
هَمَّازٍ ابن زید نے کہا: ھماز سے مراد وہ آدمی ہے جو اپنے ہاتھ سے لوگوں کی چٹکی لیتا ہے اور انہیں مارتا ہے اور لماز جو زبان سے دوسرے لوگوں کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جو مجلس میں لوگوں کے عیب ذکر کرے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے هُمَزَةٍ (الہمزہ: 1)(1) ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھماز سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے سامنے ان کی برائی ذکر کرتا ہے اور لمازا سے کہتے ہیں جو ان کی عدم موجودگی میں ان کی برائی ذکر کرتا ہے؛ یہ ابو العالیہ، عطا بن ابی رباح اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ مقاتل نے اس کلام کی ضد میں کلام کی ہے: ھمزہ اسے کہتے ہیں جو عدم موجودگی میں غیبت کرتا ہے اور لمزہ اسے کہتے ہیں جو سامنے برائی کرتا ہے۔ مرہ نے کہا: دونوں برابر ہیں۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عدم موجودگی میں عیب جوئی کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ سے اسی کی مثل مروی ہے۔ شاعر نے کہا:

تُدْلِي بِوُدٍّ إِذَا لَاقَيْتَنِي كَذِبًا وَإِنْ أَغِبْ فَأَنْتَ الهَامِزُ اللُّمَزَهْ(2)

جب تو ملتا ہے تو جھوٹ موٹ کی محبت کا اظہار کرتا ہے اور اگر میں غائب ہوں تو تو عیب جوئی کرنے والا ہے۔
مَشَّآءٍ بِنَمِيمٍ لوگوں میں چغل خوری کرتا ہے تاکہ ان میں فساد برپا کردے۔ یہ بولا جاتا ہے: نم ینم نما و نمیما و نمیمۃ جب وہ چغل خوری کرے اور فساد برپا کردے۔ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہیں یہ خبر پہنچی کہ فلاں آدمی چغل خوری کرتا ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جنت میں کوئی چغل خور داخل نہیں ہوگا''(3)۔ شاعر نے کہا:

وَمَوْلًى كَبَيْتِ النَّمْلِ لَا خَيْرَ عِنْدَهُ لِمَوْلَاهُ إِلَّا سَعْيَهُ بِنَمِيمِ(4)

غلام چیونٹی کے گھر کی طرح ہے۔ اس کے ہاں آقا کے لیے کوئی خیر نہیں سوائے اس کے کہ وہ چغل خوری کرتا ہے۔
مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ وہ مال کو روکنے والا ہے کہ اسے بھلائی کے راستوں میں خرچ کیا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی اولاد اور قبیلہ کو اسلام سے روکتا ہے(5)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ انہیں کہتا ہے تم میں سے جو بھی (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوا میں اسے کبھی بھی کسی چیز کا فائدہ نہیں دوں گا(6)۔ مُعْتَدٍ وہ لوگوں پر ظلم کرنے والا ہے، حد سے تجاوز کرنے والا ہے، باطل کا ساتھی ہے۔ أَثِيمٍ گناہگار ہے اس کا معنی اثوم ہے۔ یہ فعیل کا وزن ہے اور فعول کے معنی میں ہے۔ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ عتل، یعنی وہ کفر میں بہت سخت ہے۔ کلبی اور فراء نے کہا: وہ باطل میں سخت خصومت کرنے والا ہے(7)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں سے خصومت کرتا ہے اور انہیں قید یا عذاب کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ عتل سے ماخوذ ہے جس کا معنی کھینچنا ہے؛ اسی معنی میں یہ ارشاد ہے خُذُوهُ فَاعْتِلُوهُ (الدخان: 47) صحاح میں ہے عتلت

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 183
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 63
3۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 70
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 64
5۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 96
6۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 84
7۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 430

الرجل، أعتله وأعتُله جب تو اسے سختی سے کھینچے۔ رجل مِعْتَل۔ وہ گھوڑے کی تعریف کرتا ہے:

نَقرعه قرعًا ولسنا نَعْتِله ہم اسے سختی سے روکتے ہیں اور ہم اسے کھینچتے نہیں۔

ابن سکیت نے کہا: عتله وعتنه دونوں طرح یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ عُتُلٍّ کا معنی سخت دل۔ عُتُلٍّ کا معنی یہ بھی ہے موٹا نیزہ۔ رجل عتل ایسا آدمی جو برائی کی طرف جلدی جانے والا ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: لا أنعتل معك یعنی میں اپنی جگہ سے نہ ہلوں گا۔ عبید بن عمیر نے کہا: العتل سے مراد بہت زیادہ کھانے والا، بہت زیادہ پینے والا، قوی اور شدید۔ اسے میزان میں رکھا جائے تو ایک جو کا وزن بھی نہ ہو۔ فرشتہ ایک دھکے سے ایسے ستر ہزار آدمیوں کو جہنم میں دھکیل دے گا۔ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت حسن بصری نے کہا: عُتُلٍّ سے مراد فحش گوئی کرنے والا اور برے اخلاق والا۔ معمر نے کہا: اس سے مراد فحش گوئی کرنے والا اور کمینہ ہے (1)۔ شاعر نے کہا:

بِعُتُلٍّ من الرجال زَنِيم غير ذی نجدة وغير كريم(2)

لوگوں میں سے ترش اور بداصل وہ بلند مقام مرتبے والا نہیں اور نہ ہی معزز ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت حارث بن وہب سے روایت مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''کیا میں تمہیں اہل جنت کے بارے میں باخبر نہ کروں؟'' (3) صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: ''ہر کمزور جسے لوگ کمزور جانیں۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر کسی امر کے بارے میں قسم اٹھا دے تو وہ اس قسم کو پورا کر دے۔ کیا میں تمہیں جہنمیوں کے بارے میں باخبر نہ کروں؟'' صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں؟ فرمایا: ''ہر ترش رو، سخت دل، مال جمع کرنے والا اور متکبر''۔ ایک روایت میں ہے۔ ''ہر مال جمع کرنے والا، بداصل اور متکبر'' (4)۔

جواظ سے مراد مال جمع کرنے والا اور خرچ کرنے سے رکنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زیادہ گوشت والا اور چال میں تکبر کرنے والا۔ ماوردی نے شہر بن حوشب سے وہ عبد الرحمن بن غنم سے روایت نقل کرتے ہیں (5)، اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا يدخل الجنةَ جَوّاظٌ ولا جَعْظَرِی ولا العُتُلّ الزَّنِيم ایک آدمی نے عرض کی: جواظ اور جعظری کیا ہوتا ہے اور عتل زنیم سے کیا مراد ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جواظ اسے کہتے ہیں جو مال جمع کرتا ہے اور اسے روک لیتا ہے، جعظری سے مراد سخت دل اور عتل زنیم سے مراد مضبوط جسم والا، بڑے پیٹ والا، صحت مند، خوب کھانے پینے والا، کھانے کو پانے والا اور لوگوں پر ظلم کرنے والا''۔ ثعلبی نے اسے شداد بن اوس سے نقل کیا ہے: ''جنت میں جواظ، جعظری اور عتل زنیم داخل نہیں ہوگا''۔ میں نے یہ باتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں۔ میں نے عرض کی: جواظ کون ہے؟ فرمایا: ''مال جمع کرنے والا اور اسے روکنے والا''۔ میں نے پوچھا: جعظری کیا ہے؟ فرمایا: ''ترش رو سخت دل''، میں نے عرض کی: عتل زنیم کیا ہے؟ فرمایا: ''بڑے پیٹ والا''۔ بھرے گوشت والا، خوب

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 430 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 64

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفته، جهنم اعاذنا الله منها، جلد 2، صفحہ 382 4۔ ایضاً 5۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 65

کھانے پینے والا اور ظالم"۔

میں کہتا ہوں: یہ تفسیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عتل کے بارے میں ہے جو مفسرین کے اقوال پر فوقیت رکھتی ہے۔ ابوداؤد کی کتاب میں جواظ کی تفسیر میں ہے، اس سے مراد ترش رو اور سخت دل ہے۔ یہ حارث بن وہب خزاعی کی حدیث میں وارد ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا یدخل الجنۃ الجَوّاظ ولا الجَعْظَرِي (1)، جواظ اور جعظری جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ کہا: جواظ سے مراد ترش رو اور سخت دل ہے۔ اس بارے میں دو اور تفسیریں ہیں جو مرفوع روایت میں بیان ہوئیں جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سخت دل ہے۔ حضرت زید بن اسلم اللہ تعالیٰ کے فرمان: عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۙ کی تفسیر میں کہتے ہیں (2)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "آسمان اس آدمی کی حرکتوں سے روتا ہے اللہ تعالیٰ نے جس کے جسم کو درست کیا، اس کے پیٹ کو بڑا کیا اور دنیا میں سے بعض دیا تو وہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے، پس وہی عتل زنیم ہے اور آسمان اس بدکار بوڑھے کی وجہ سے روتا ہے جس کو زمین اٹھائے ہوئے ہے"۔

زنیم اسے کہتے ہیں جو کسی قوم کے ساتھ چسپاں کر دیا گیا ہے اور جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ شاعر نے کہا:

زَنِیمٌ تداعاہ الرجال زیادۃ

وہ زنیم ہے جسے لوگ بطور زیادہ چیز کے دعویٰ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ قریش کا ایک فرد تھا اس کا ایسا زخم تھا جس طرح بکری (کے کانوں یا گردن) میں الگ تھلگ گوشت لٹک رہا ہوتا ہے (3)۔ ابن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت بھی کی ہے کہ وہ شر میں یوں معروف تھا جس طرح بکری اس گوشت کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے (4)۔ عکرمہ نے کہا: مراد ایسا کمینہ فرد ہے جو اپنی کمینگی کی وجہ سے معروف ہو جس طرح بکری اس گوشت کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ابنہ (عیب) کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد مظلوم ہے۔ یہ چھ اقوال ہیں۔ مجاہد نے کہا: زنیم جس کے ہاتھ میں چھ انگلیاں تھیں اور ہر انگوٹھے میں ایک انگلی زائد تھی۔ ان میں سے بھی اور سعید بن مسیب اور عکرمہ سے بھی یہ مروی ہے: اس سے مراد ولد زنا ہے جو نسب میں کسی قوم کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہو۔ ولید قریش میں دعی (جس کا دعویٰ کیا گیا ہو) تھا وہ ان کی اصل سے نہ تھا۔ اس کے والد نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ شاعر نے کہا:

زَنِیمٌ لیس یُعرفُ مَن أبوہ بَغِیُّ الأُمِّ ذو حسب لئیم

وہ بد اصل ہے، اس کا باپ معروف نہیں، اس کی ماں بدکار تھی وہ کمینے حسب والا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بعینہ پہلا قول ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جس کی اصل نہ ہو۔ معنی

1۔ سنن ابی داود، کتاب الادب، فی حسن الخلق، جلد 2، صفحہ 305
2۔ تفسیر طبری، جز 29، صفحہ 31
3۔ تفسیر ابن عباس، جلد 2، صفحہ 895
4۔ ایضاً

ایک ہی ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ولدزنا، اس کا بچہ اور اس کے بچے کا بچہ داخل نہیں ہوگا'' (1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ولدزنا قیامت کے روز بندوں اور خنزیروں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے''۔ حضرت میمونہ نے کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت بھلائی میں رہے گی جب تک اس میں ولدزنا عام نہ ہوں گے اور جب اس میں ولدزنا عام ہو جائیں گے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عتاب کو عام کردے''۔ عکرمہ نے کہا: جب ولدزنا کی کثرت ہو جاتی ہے تو بارش کم ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک پہلی اور دوسری حدیث کا تعلق ہے میں ان کی ایسی سند گمان نہیں کرتا جو صحیح ہو جہاں تک حضرت میمونہ کی حدیث کا تعلق ہے اور عکرمہ نے جو کہا ہے وہ صحیح مسلم میں حضرت زینب بنت جحش جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں، سے مروی ہے۔ کہا: ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبراتے ہوئے نکلے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے تھے: لا إله إلا الله ويلٌ للعرب من شرٍّ قد اقترب۔ فُتح اليومَ من رَدمِ يأجوجَ ومأجوجَ مثلُ هذا (2) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عربوں کے لیے اس شر کی وجہ سے ہلاکت ہے جو قریب آچکی ہے۔ آج یاجوج وماجوج کی آڑ اس قدر کھول دی گئی ہے۔ آپ نے اپنے انگوٹھے اور ساتھ والی انگلی سے حلقہ بنایا۔ حضرت زینب بنت جحش نے کہا: میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہم میں صالح لوگ بھی ہیں۔ فرمایا: ''ہاں، جب بدکاری عام ہو جائے گی''۔ امام بخاری نے اسے نقل کیا ہے۔ کثرۃ خبث سے مراد زنا کا عام ہونا اور زنا کی اولاد کا عام ہونا ہے۔ علماء نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔ عکرمہ کا قول قحط المطر اس امر کی وضاحت ہے جس کے ساتھ ہلاکت ہوگی۔ یہ امر قیاسی نہیں تو قیفی (جیسی خبر دی) ہے وہ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ کس وجہ سے انہوں نے یہ بات کہی۔

اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی وہ منیٰ میں مقیم لوگوں کو تین دن حلوہ کھلاتا تھا اور اعلان کرتا: خبردار! کوئی آدمی ہنڈیا کے نیچے آگ نہ جلائے، کوئی آدمی کھروں (کو پکانے کے لئے) ان کے نیچے دھواں نہ ڈالے۔ خبردار! جو حیس (مٹھائی) کی خواہش رکھتا ہے وہ ولید بن مغیرہ کے پاس آئے وہ ایک حج کے موقع پر بیس ہزار یا اس سے زیادہ خرچ کیا کرتا تھا اور مسکین کو ایک درہم بھی نہ دیتا، تو کہا گیا: مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ۝ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ (فصلت) محمد بن اسحاق نے کہا: یہ آیت اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ وہ حلیف تھا اور بنوزہرہ کے ساتھ لاحق کیا گیا تھا؛ اسی وجہ سے اسے زنیم کہا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس آیت میں اس کی یہ صفت بیان کی گئی اس کے بارے میں کسی کو پتہ نہ تھا یہاں تک کہ وہ قتل ہوا تو اس کا پتہ چلا۔ اس کی گردن میں گوشت کا ایک لوتھڑا تھا جو لٹک رہا تھا۔ مرہ ہمدانی نے کہا: اس کے والد نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد اس کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا۔

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِينَ ۝ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

''(یہ غرور و سرکشی) اس لئے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے۔ جب ہماری آیت اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو

1۔ کنز العمال، جلد 5، صفحہ 333، حدیث 13095 2۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، یاجوج ماجوج، جلد 2، صفحہ 1056

کہتا ہے یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں''۔

اَنۡ كَانَ ذَامَالٍ وَّ بَنِيۡنَ۝ ابو جعفر، ابن عامر، ابوحیوہ، مغیرہ اور اعرج نے اَنۡ كَانَ ایک ہمزہ ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ کلام استفہامیہ ہے۔ مفضل، ابوبکر اور حمزہ نے أَاَنۡ كَانَ دو ہمزوں کے ساتھ جو اپنی جگہ پر ثابت ہیں کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے ایک ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اس بنا پر کہ یہ کلام استفہامیہ نہیں۔ جس نے ایک ہمزہ ممدودہ یا دو ہمزہ محققہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں کلام استفہامیہ ہوگی۔ اس سے مراد توبیخ ہے اس کے لئے اچھا ہوگا کہ وہ زنیم پر وقف کرے اور اَنۡ كَانَ سے کلام کا آغاز کرے معنی یہ بنے گا کیا اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے آپ سلی ایہ ہم اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہ تقدیر کلام بھی جائز ہے الأن كان ذا مال و بنين يقول إذا تُتلى عليه آياتنا أساطير الأولين کیا اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ تقدیر کلام یوں ہو الأن كان ذا مال و بنين يكفر و يستكبر کیا اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے وہ کفر کرتا ہے اور تکبر کرتا ہے۔ ماقبل کلام اس پر دلالت کرتی ہے تو یہ استفہام کے بعد مذکور کی طرح ہے۔ جس نے اَنۡ كَانَ استفہام کے بغیر پڑھا تو وہ مفعول لاجلہ ہوگا اس میں عامل فعل مضمر ہے تقدیر کلام یہ ہوگی يكفر لأن كان ذا مال و بنين اس فعل پر اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ۝ دلالت کرتا ہے۔ اَنۡ میں تُتۡلٰى فعل عامل نہیں ہوگا اور نہ ہی قَالَ فعل عامل ہوگا کیونکہ اِذَا کا مابعد اس کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا کیونکہ اذا، مابعد جملہ کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہوتا ہے اور مضاف الیہ، مضاف کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا اور قَالَ جزاء کا جواب ہے یہ جزا کے ماقبل میں عمل نہیں کرتا کیونکہ عامل کا حکم یہ ہے کہ وہ معمول سے پہلے ہو اور جواب کا حکم یہ ہے کہ وہ شرط کے بعد ہو وہ ایک ہی حال میں مقدم و موخر ہوگا۔ یہ جائز ہے کہ معنی ہو اس کی اطاعت نہ کر اس لئے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے۔ ابن انباری نے کہا: جس نے استفہام کے بغیر پڑھا اس کے لئے زنیم پر وقف کرنا اچھا نہیں کیونکہ معنی ہے اَنۡ كَانَ بان کان۔ ان ماقبل سے متعلق ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ مَشَّآءٍ بِنَمِيۡمٍ کے متعلق ہو تقدیر کلام یہ ہوگی یمشی بنمیم لأن كان ذا مال و بنين وہ چغل خوری اس لئے کرتا ہے کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے۔ ابو علی نے یہ بھی جائز قرار دیا ہے کہ یہ عتل کے متعلق ہو اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ سے مراد ان کی باطل باتیں، جھوٹی آرزوئیں اور خرافات ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

سَنَسِمُهٗ عَلَى الۡخُرۡطُوۡمِ۝

''ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

سنسمہ کا معنی ومفہوم

مسئلہ نمبر 1۔ سَنَسِمُهٗ حضرت ابن عباس بنی شہا نے کہا: سَنَسِمُهٗ کا معنی ہے ہم تلوار کے ساتھ اسے نکیل ڈالیں گے (1)،

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 432

کہا: جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی غزوہ بدر کے دن تلوار کے ساتھ اس کی ناک پر زخم لگایا گیا، وہ مرنے تک اسی طرح رہا۔ قتادہ نے کہا: قیامت کے روز ہم اس کی ناک پر نشان لگائیں گے جس کے ساتھ وہ پہچان لیا جائے گا یہ جملہ بولا جاتا ہے: وسمتہ وسما و سمۃ جب اس میں سمہ اور کاویہ کے ساتھ اثر چھوڑا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آل عمران: 106) یہ ظاہر علامت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىٕذٍ زُرْقًا ۝ (طٰہٰ)

یہ ایک اور ظاہر علامت ہے اس آیت نے تیسرا فائدہ اٹھایا، وہ ناک پر آگ سے نشان لگاتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ (الرحمن: 41)؛ یہ کلبی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابو العالیہ اور مجاہد نے کہا: سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝ کا معنی ہے ہم اس کے ناک پر نشان لگائیں گے اور آخرت میں اس کے چہرے کو سیاہ کر دیں گے تو وہ اپنے چہرے کی سیاہی کی وجہ سے پہچانا جائے گا۔ خرطوم سے مراد انسان کی ناک ہے، درندوں سے اس کے ہونٹ کی جگہ ہے۔ قوم کے خراطیم سے مراد ان کے سردار ہیں۔ فراء نے کہا: اگر خرطوم کو سمہ کے ساتھ خاص کیا گیا ہو تو اس وقت یہ وجہ کے معنی میں ہوگا کیونکہ کسی چیز کے بعض کے ساتھ اس کے کل کو تعبیر کیا جاتا ہے۔ طبری نے کہا: ہم اس کے امر کو واضح کریں گے یہاں تک لوگ اسے پہچان لیں گے وہ ان پر مخفی نہیں رہے گا جس طرح ناک پر نشان مخفی نہیں رہتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اسے عار لاحق کریں گے یہاں تک کہ وہ اس کے لئے اس طرح ہو جائے گا جس طرح اس کی ناک پر نشان ہو۔ قتبی نے کہا: عرب اس آدمی کے بارے میں کہتے ہیں جس کو کوئی قبیح الزام دیا گیا ہو جو باقی رہنے والا ہو: قد وَسَمَ مَيْسَمَ سُوءٍ معنی اسے ایسی عار لاحق ہوگئی ہے جو اس سے جدا نہیں ہوگی، جس طرح نشان کا اثر نہیں مٹایا جا سکتا۔ جریر نے کہا:

لمّا وضعتُ على الفَرَزْدَقِ مِيسَمِي ... و على البَعِيثِ جَدَعْتُ أنفَ الأخْطَلِ (1)

جب میں نے اپنی ہجو فرزدق اور بعیث (خداش بن بشر) پر رکھی تو میں نے اخطل کی ناک کو کاٹ دیا۔

یہاں میسم سے مراد ہجو ہے۔ کہا: یہ سب آیات ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے اتنے عیوب کا ذکر کیا ہو جتنے عیوب اس کے ذکر کیے۔ اسے ایسی عار لاحق کی جو دنیا و آخرت میں اس سے جدا نہ ہوئی جس طرح ناک پہ نشان زخم جدا نہیں ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ آزمائش ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں اس کی ذات، مال اور اہل میں مبتلا کیا اسے ذلت و پستی میں رہنا پڑا (2)؛ یہ ابن بحر نے کہا جس طرح اعشیٰ نے کہا: و اغلب أنف من أنت و اسم جس پر نشان لگانا چاہتا ہے اس کی ناک پر نشان لگا۔ نضر بن شمیل نے کہا: معنی ہے ہم شراب پینے پر اس پر حد جاری کریں گے خرطوم سے مراد شراب ہے اس کی جمع خراطیم آتی ہے۔

شاعر نے کہا:

تَظَلَّ يومك في لَهْوٍ و في طَرَبٍ ... و أنت بالليل شَرّاب الخراطيم

تو دن کے وقت لہو اور نشاط میں رہتا ہے اور رات کے وقت شراب پیتا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 349 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 66

ایک اور نے کہا: ومن یشرب الخمر یصبح مسکرا جو شراب پیتا ہے، وہ نشہ کی حالت میں صبح کرتا ہے۔

چہرے پر نشان کے ساتھ مثال بیان کرنے کی وجہ

مسئلہ نمبر 2۔ ابن عربی نے کہا: معصیت کا ارتکاب کرنے والے کے چہرے پر نشان لگانا لوگوں کے ہاں قدیمی معمول ہے (1)۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ یہ روایت کی گئی ہے: جب یہودیوں نے زانی کو رجم کرنے میں ڈھیل دی تو اس کے عوض انہوں نے مارنے اور چہرے کو سیاہ کرنے کی سزا دی۔ یہ بات الگ توجیہ ہے۔ چہرے پر نشان لگانے کے اعتبار سے صحیح توجیہ یہ ہے جو علماء نے رائے قائم کی کہ جھوٹی گواہی دینے والے کے چہرے کو سیاہ کیا جائے۔ یہ اس کی معصیت کی قباحت پر علامت کے طور پر ہے اور اس آدمی پر سختی کرنے کے لئے ہے جو جھوٹی گواہی کسی اور کے لئے دیتا ہے یہ ان لوگوں میں سے ہے جس کے بارے میں اس عمل سے اجتناب کرنے کی امید کی جاسکتی تھی۔ وہ حق بات کہہ کر معزز ہوسکتا تھا جبکہ وہ معصیت کا ارتکاب کر کے حقیر ہوگیا ہے سب سے بڑی اہانت چہرے کی اہانت ہے اسی طرح اس کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو پست کرنا یہ دائمی بھلائی اور آگ پر حرمت کا سبب ہے اللہ تعالیٰ نے آگ پر حرام کیا ہے کہ وہ انسان کے سجدہ کے اثر کو کھائے جس طرح حدیث صحیح میں ثابت ہے۔

اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَاۤ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝ وَ لَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ وَ هُمْ نَآئِمُوْنَ ۝

''ہم نے ان (مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو جب انہوں نے قسم کھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے اور انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس چکر لگایا اس باغ پر ایک چکر لگانے والے نے آپ کے رب کی طرف سے دراں حالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

باغ والوں کا ابتلا اور ان کا قصہ

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ مراد اہل مکہ ہیں۔ ابتلاء سے مراد آزمانا ہے۔ اس کا معنی ہے ہم نے انہیں مال عطا کئے تا کہ وہ شکر بجالائیں نہ کہ وہ تکبر کریں۔ جب انہوں نے تکبر کیا اور حضرت محمد ﷺ سے دشمنی کی تو ہم نے بھوک اور قحط کے ساتھ آزمایا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا تھا جن کی خبر ان کے ہاں معروف و مشہور تھی۔ وہ باغ یمن کے علاقہ میں صنعاء سے چند فرسخ دور تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: وہ دو فرسخ دور تھا وہ باغ ایک ایسے آدمی کا تھا جو اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حق ادا کیا کرتا تھا جب وہ فوت ہوگیا تو باغ بیٹوں کی ملکیت میں آ گیا انہوں نے لوگوں کو اس کے مال سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے میں بخل سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس باغ کو ایسے طریقہ سے ہلاک کر دیا جس کو دور کرنا ان کے لئے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1857

ممکن نہ تھا۔ کلبی نے کہا: ان کے اور صنعاء کے درمیان دو فرسخ کا فاصلہ تھا اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا کہ ان کے باغ کو جلا دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ باغ ضوران میں تھا اور ضوران، صنعاء سے دو فرسخ کے مقام پر تھا۔ اس باغ والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے سے تھوڑا عرصہ بعد ہوئے وہ سب بخیل تھے وہ مساکین سے بچنے کے لئے رات کے وقت کھجوروں سے پھل اتارتے تھے۔ انہوں نے فصل کاٹنے کا ارادہ کیا اور کہا: آج تم پر کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے وہ صبح صبح اس کی طرف گئے تو وہ باغ اپنی جڑوں سے اکھیڑا جا چکا تھا تو وہ رات کی طرح ہو چکا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دن کو بھی صریم کہتے ہیں۔ اگر رات مراد لی جائے تو اس جگہ کے سیاہ ہونے کی وجہ سے اسے صریم کیا گیا گویا انہوں نے اس کی جگہ کو سیاہ کیچڑ کوئلہ پایا اگر صریم سے مراد دن ہو تو اس کے درختوں اور کھیتیوں کے ختم ہونے اور زمین کے اندر سے صاف ہونے کی وجہ سے اسے صریم کہا گیا۔ طائف سے مراد حضرت جبریل امین ہیں انہوں نے اس باغ کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے: اس باغ کو بیت اللہ شریف کے گرد چکر لگایا اور پھر اسے وہاں رکھ دیا جہاں آج کل طائف شہر ہے۔ اسی وجہ سے اس شہر کو طائف کہتے ہیں۔ حجاز کے علاقہ میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں درخت، انگور اور پانی ہو۔ بکری نے معجم میں کہا: طائف کو یہ نام اس لئے دیا گیا کیونکہ صدف کا ایک آدمی جسے دمون کہا جاتا اس نے ایک دیوار بنائی اور کہا: میں نے تمہارے شہر کے اردگرد ایک طائف بنائی ہے اس وجہ سے اس شہر کا نام طائف پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

کھیتی کاٹنے کا وقت اور اس وقت کیا کرنا چاہیے

مسئلہ نمبر 2۔ بعض علماء نے کہا: جو آدمی اپنی کھیتی کاٹے یا پھل کاٹے تو جو آدمی وہاں حاضر ہو اس کے ساتھ غم گساری کرے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (الانعام: 141) کا یہی مقصود ہے، یہ زکوٰۃ کے علاوہ ہے جس طرح سورۃ الانعام میں گزر چکا ہے۔ بعض نے کہا: کاٹنے والوں نے جسے چھوڑ دیا ہے مالک پر لازم ہے کہ اسے چھوڑ دے کیونکہ بعض لوگ اس سے اپنی روزی تلاش کرتے ہیں۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ رات کے وقت فصل کاٹنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ اس طریقہ سے مساکین کے ساتھ نرمی کرنے کا حکم ہے وہ منقطع ہو جاتا ہے جس نے یہ کہا اس نے سورۂ نٓ وَالْقَلَمِ کی اس آیت کی یہ تاویل کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کے وقت اس لئے کاٹنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ سانپوں اور دوسرے حشرات الارض کا خوف ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ دوسرا احسن ہے۔ ہم نے کہا ہے: پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ سزا انہیں اسی لئے ملی جو انہوں نے مساکین کو محروم رکھنے کا ارادہ کیا تھا جس طرح اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ اسباط نے سدی سے روایت کی ہے کہ ایک قوم یمن میں آباد تھی ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا جب ان کے پھل پک جاتے تو مساکین اس کے پاس آ جاتے وہ باغ میں داخل ہونے سے انہیں منع نہ کرتا، اس سے کھانے سے منع نہ کرتا اور زادراہ لینے سے منع نہ کرتا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو اس کے بیٹوں نے ایک دوسرے سے کہا: ہم اپنے اموال مساکین کو کیوں دیں۔ آؤ۔ ہم رات کے وقت اس میں داخل ہوں اور مساکین کو علم ہونے سے پہلے ہی کاٹ لیں۔ انہوں نے ان شاء اللہ بھی نہ کہا۔ وہ پہلے ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے رازداری

سے بات کروآج تم پر کوئی مسکین داخل نہ ہو اسی وجہ سے فرمایا: اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ۝ انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ مساکین کے گھروں سے نکلنے سے پہلے ہم صبح صبح اسے کاٹ لیں اور انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ باغ صنعاء سے دو فرسخ کے مقام پر تھا اسے ایک صالح آدمی نے لگایا تھا اس کے تین بیٹے تھے وہ تمام پھل مساکین کے لیے ہوتا جو درانتی سے رہ جاتا اور انگور میں سے اس نے نہ کاٹا ہوتا جب اسے چادر پر ڈالا جاتا تو جو پھل اس چادر سے باہر جاتا وہ بھی مساکین کے لیے ہوتا جب وہ اپنی کھیتی کاٹتے تو جو چیز درانتی سے رہ جاتی وہ مساکین کے لئے ہوتی جب وہ اس فصل کو صاف کرتے تو جو چیز ادھر ادھر بکھر جاتی وہ بھی مساکین کے لئے ہوتی ان کا باپ اس میں سے صدقہ کرتا ان کے باپ کی زندگی میں یتامیٰ، بیوائیں اور مساکین اس سے وقت گزارتے جب ان کا باپ فوت ہو گیا تو بیٹوں نے وہ کچھ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ذکر کیا۔ انہوں نے کہا: مال کم ہو گیا ہے اور اہل وعیال زیادہ ہو گئے ہیں، انہوں نے باہم قسم اٹھائی کہ لوگوں کے نکلنے سے پہلے وہ باغ کی طرف جائیں گے پھر اسے کاٹیں گے اور مساکین کو پتہ بھی نہ چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا کا یہی معنی ہے انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ اپنی کھجوروں کا پھل اس وقت کاٹیں گے جب ابھی رات کی کچھ تاریکی ہوگی تاکہ مساکین بیدار نہ ہوں۔ صرم کا معنی کاٹنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: صرم العذق من النخل اس نے کھجور کا خوشہ کاٹا۔ أصرم النخل کھجور کے کاٹنے کا وقت آ گیا جس طرح أركب المهر اور أحصد الزرع یعنی بچھیرے پر سواری کرنے کا وقت آ گیا اور کھیتی کے کاٹنے کا وقت آ گیا۔

وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ۝ انہوں نے انشاء اللہ نہ کہا: فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ۝ وہ ایک دوسرے کو ندا کرتے ہیں: اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ۝ کھیتی کو کاٹنے کا عزم رکھتے ہو۔ قتادہ نے کہا: اگر تم کھیتی کاٹنے والے ہو۔ کلبی نے کہا: ان کے باغ میں جو کھیتی اور کھجوریں ہیں انہیں کاٹنے والے ہو۔ مجاہد نے کہا: ان کی کھیتی انگور کی تھی۔ انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا(1)۔ ابو صالح نے کہا: ان کی استثناء ان کا یہ قول تھا: سبحان اللہ ربنا ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَا يَسْتَثْنُوْنَ کا معنی ہے وہ مساکین کا حق نہیں نکالتے؛ یہ علماء کا قول ہے وہ اپنے باغ میں رات کے وقت آئے انہوں نے باغ کو سیاہ پایا تیرے رب کی جانب سے ان پر ایک مصیبت آئی جبکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: طائف سے مراد حضرت جبریل امین ہیں جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد ہے تیرے رب کی جانب سے امر (2)۔ قتادہ نے کہا: تیرے رب کی جانب سے عذاب۔ ابن جریج نے کہا: آگ کی گردن جو جہنم کی وادی سے نکلی تھی۔ طائف اس مصیبت کو کہتے ہیں جو رات کے وقت آئے؛ یہ فراء کا قول ہے (3)۔

انسان کے عزم پر بھی سزا ہوتی ہے

مسئلہ نمبر 3۔ میں کہتا ہوں: اس آیت میں ایسی دلیل ہے کہ عزم پر بھی انسان کا مواخذہ ہوگا کیونکہ انہوں نے عزم کیا تھا کہ وہ ایسا کریں گے تو ان کے فعل سے پہلے انہیں سزا دی گئی۔ اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 67
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً

بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الحج) صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ”جو دو مسلمان اپنی تلواروں کے ساتھ باہم مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں آگ میں ہوں گے“ (1)۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو قاتل ہے تو مقتول کس وجہ سے؟ فرمایا: ”وہ اپنے ساتھی کے قتل کا حریص تھا“۔ سورۂ آل عمران آیت 135 میں وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا کے ضمن میں بحث گزر چکی ہے۔

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿۲۲﴾

”پس چکر لگا گیا اس باغ پر چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے دراں حالانکہ وہ سوئے ہوئے تھے چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندا دی صبح سویرے کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو تم اگر پھل توڑنا چاہتے ہو“۔

فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿۲۰﴾ وہ ہو گیا تاریک رات کی طرح (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، فراء اور دوسرے علماء نے کہا: یعنی وہ باغ جل گیا اور سیاہ رات کی طرح ہو گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: سیاہ رات کی طرح ہو گیا (3)۔ کہا: خزیمہ کی لغت میں وہ سیاہ راکھ کی طرح ہو گیا۔ ثوری نے کہا: کٹی ہوئی کھیتی کی طرح ہو گیا۔ صریم، مصروم کے معنی میں ہے اس میں جو کچھ تھا اس کو کاٹ دیا گیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: بھلائی اس سے ختم کر دی گئی۔ صریم، اسم مفعول کا وزن ہے۔ مورج نے کہا: ایسی ریت جو زیادہ ریت سے الگ ہو گئی۔ یہ کہا جاتا ہے: صریمۃ، صرائم ریت کوئی ایسی چیز نہیں اگاتی جس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہو۔ اخفش نے کہا: وہ صبح کی طرح ہو گیا جو رات سے کٹ چکی ہو۔ مبرد نے کہا: وہ دن کی طرح ہو گیا، پس اس میں کوئی چیز باقی نہ بچی۔ شمر نے کہا: صریم سے مراد رات ہے، صریم سے مراد دن ہے، یعنی رات دن سے کٹتی ہے اور دن رات سے کٹتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کو صریمہ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی تاریکی کی وجہ سے تصرف سے روک دیتی ہے؛ اسی وجہ سے فعیل، فاعل کے معنی میں ہے۔ قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ دن کو بھی صریم کہتے ہیں جبکہ وہ انسان کو تصرف سے نہیں روکتا۔

فَانْطَلَقُوْا وَ هُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾ وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

”سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین اور ترش کے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں“۔

فَانْطَلَقُوْا وَ هُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ یعنی وہ رازداری سے باتیں کر رہے تھے اپنی کلام کو وہ پست رکھ رہے تھے اور رازداری سے کام لے رہے تھے تاکہ کسی کو ان کے بارے میں علم نہ ہو؛ یہ عطا اور قتادہ کا قول ہے۔ یہ خَفَتَ يَخْفِتُ سے مشتق ہے جب وہ ساکن ہو جائے اور کسی بات کو ظاہر نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتے ہیں تاکہ لوگ انہیں

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفتن، اذا التقی المسلمان، جلد 2، صفحہ 389 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 68 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 67

دیکھ نہ لیں۔ ان کا باپ فقراء اور مساکین کو خبر دیتا تو وہ کاٹنے کے وقت حاضر ہو جاتے۔

وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِیْنَ۝ حرد کا معنی قصد ہے اور اپنے حساب سے وہ قادر تھے۔ وہ گمان کرتے تھے وہ اپنی مراد پر قدرت رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے یہی معنی کیا ہے۔ حرد کا معنی قصد کرنا ہے۔ حَرَدَ، یَحْرِدُ، حَرْدًا قصد کیا۔ تو کہتا ہے: حَرَدْتُ حردت۔ تو نے قصد کیا۔ اس معنی میں راجز کا قول ہے:

أقبل سَیْلٌ جاء من عند الله یَحْرِدُ حَرْدَ الجنة المُغِلَّة (1)

سیلاب اللہ تعالیٰ کی جانب سے آیا وہ گھنے پھلدار باغ کا قصد کر رہا تھا۔ نحاس نے یہ شعر پڑھا:

قد جاء سیل جاء من أمر الله یحرد حرد الجنة المغلة (2)

اللہ تعالیٰ کے حکم سے سیلاب آیا، وہ گھنے پھلدار باغ کا قصد کر رہا تھا۔

مبرد نے کہا: مغلہ سے مراد غلہ والا۔ دوسرے علماء نے کہا: مغلہ سے مراد وہ باغ ہے جس کی جڑوں میں پانی بہتا ہے؛ اسی سے تغللت بالغالیة ہے اسی سے تغلیت ہے، لام کو یاء سے بدل دیا گیا۔ جس نے تغلفت کہا: اس کے نزدیک اس کا معنی ہے میں نے اسے غلاف بنایا۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: علی حرد کوشش کرتے ہوئے (3)۔ حضرت حسن بصری نے اس کا معنی کیا ہے: ضرورت اور فاقہ کی صورت میں۔ ابو عبیدہ اور قتیبی نے کہا: اس کا معنی روکنا ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے لیا گیا ہے: حَارَدَتِ الإبلُ حِرَادًا جب اس کا دودھ کم ہو گیا۔ حرود اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کا دودھ کم ہو۔ حارَدَتِ السَّنَةُ جس سال بارش اور فصل کم ہو۔ سدی اور سفیان نے کہا: حرد کا معنی غضب ہے۔ ابو نصیر احمد بن حاتم اصمعی کے صاحب نے کہا: اس میں تخفیف کی گئی ہے اور یہ شعر پڑھا:

إذا جیاد الخیلِ جاءت تَرْدِی مملوءة من غَضَبٍ و حَرَدِ

عمدہ گھوڑے زمین پر پاؤں مارتے ہوئے آئے اس حال میں کہ وہ غصہ اور غضب سے بھرے ہوئے تھے۔

ابن سکیت نے کہا: بعض اوقات اسے حرکت دی جاتی ہے تو کہتا ہے: حَرِدَ، حَرْدًا فھو حارِدٌ و حَرْدَان اسی معنی میں کہا جاتا ہے: أسد حارِدٌ، و لیوث حوارد، غصیلے شیر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: علی حرد، الگ تھلگ۔ یہ کہا جاتا ہے: حرد یحرد حرودا وہ اپنی قوم سے الگ ہو گیا اور الگ تھلگ اترا اور ان سے میل جول نہ رکھا۔ ابو زید نے کہا: رجل حرید من قوم حرداء قد حرد یحرد حرودا جب وہ اپنی قوم کو ترک کر دے اور ان سے الگ تھلگ ہو جائے کوکب حرید جو دوسرے ستاروں سے الگ تھلگ ہو۔ اصمعی نے کہا: رجل حرید یگانہ اور الگ تھلگ۔ ہذیل کی لغت میں منحرد، منفرد کو کہتے ہیں۔ ابو ذویب کا یہ شعر پڑھا:

کأنه کوکب فی الجوِّ مُنْحَرِد گویا وہ فضا میں الگ تھلگ ستارہ ہے۔

ابو عمرو نے اسے جیم کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی تفسیر منفرد سے کی ہے۔ کہا: وہ سہیل ستارہ ہے۔ ازہری نے کہا: حرد، ان کی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 68
2۔ تفسیر طبری، جز 29، صفحہ 42
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 68

بستی کا نام تھا۔ سدی نے کہا: یہ ان کے باغ کا نام تھا۔ اس میں دو لغتیں ہیں۔ حَرْدٌ و حَرَدٌ عام قرأت سکون کے ساتھ ہے۔ ابو العالیہ اور ابن سمیقع نے اسے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دو لغتیں ہیں قٰدِرِیْنَ کا معنی ہے انہوں نے اندازہ لگایا اور اس پر عمل کیا۔ یہ فراء کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: اپنے ہاں وہ اپنے باغ پر قادر تھے (1)۔ شعبی نے کہا: وہ مساکین پر قادر تھے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی پانا ہے یعنی انہوں نے روکا جبکہ وہ پانے والے تھے۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾

''پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالباً) ہم راستہ بھول گئے، نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی''۔

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ جب انہوں نے اسے جلا ہوا دیکھا اس میں کوئی چیز بھی نہ تھی۔ وہ سیاہ رات کی طرح ہو گیا تھا۔ وہ اسے دیکھ رہے تھے گویا وہ راکھ ہو۔ انہوں نے اس کو عجیب و غریب جانا اور اس میں شک کیا۔ بعض نے بعض سے کہا: اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ہم اپنے باغ کا راستہ بھول گئے ہیں؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم صحیح راہ سے بھٹک گئے ہیں کیونکہ ہم نے مساکین کو محروم رکھنے کا ارادہ کیا تھا اسی وجہ سے ہمیں سزا دی گئی۔ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ بلکہ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے ہمیں اپنے باغ سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اسباط نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إیاکم والمعاصی إنّ العبد لیُذنِبُ الذَّنْبَ فیُحْرَمُ بہ رزقًا کان هُیِّئَ لہ (3) معاصی سے بچو، بے شک بندہ گناہ کرتا ہے تو اسے اس رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے جو اس کے لیے تیار ہوتا ہے۔ پھر ان آیات کی تلاوت کی فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾

''ان میں سے جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے: پاک ہے ہمارا رب بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر ایک اور کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے: تف ہے ہم پر ہم ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کا بدلہ دے گا جو بہتر ہو گا اس سے ہم (اب) اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں''۔

قَالَ اَوْسَطُهُمْ سب سے اچھے، سب سے عادل (4) اور سب سے دانشمند نے کہا: اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْ لَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ تم انشاء اللہ کیوں نہیں کہتے؟ ان کی استثناء تسبیح ہوا کرتی؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ یہ اس پر دال ہے کہ اوسط نے انہیں استثناء کا حکم دیا تھا۔ دوسرے بھائیوں نے اس کی اطاعت نہ کی۔ ابو صالح نے کہا: ان کی استثناء سبحان اللہ تھی (5)۔ اس نے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 69
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 68
4۔ ایضاً
5۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 433

ان سے کہا تھا تم سبحان اللہ کیوں نہیں کہتے اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو کچھ دیا ہے اس پر شکر کیوں نہیں بجا لاتے؟ نحاس نے کہا: تسبیح کا اصل معنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے۔ مجاہد نے تسبیح کو انشاء اللہ کی جگہ رکھا ہے کیونکہ تنزیہ کا معنی یہ ہے کہ کوئی بھی چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر واقع نہیں ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم اپنے فعل سے استغفار کیوں نہیں کرتے اور اپنی نیت کی خیانت سے توبہ کیوں نہیں کرتے۔ ان میں سے درمیانے نے انہیں یہ بات اس وقت کہی جب انہوں نے پختہ ارادہ کیا تھا، اس نے انہیں مجرموں سے انتقام لیے جانے کا ذکر کیا تھا۔ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ انہوں نے معصیت کا اعتراف کیا اور اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کی کہ وہ اپنے کسی عمل میں ظالم ہو(1)۔ حضرت ابن عباس نے یہ تعبیر کی ہے کہ انہوں نے کہا: ہم اپنے گناہ سے اللہ تعالیٰ کے حضور بخشش کے طالب ہیں۔ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ ہم نے مساکین کو جو مال عطا نہیں کیا اس میں ہم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں(2)۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ یعنی ایک دوسرے کو قسم اٹھانے پر اور مساکین کو روکنے پر ملامت کرنے لگے۔ ایک کہتا: بلکہ تو نے ہمیں اس کا مشورہ دیا۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ فقراء کے حق کو روک کر اور استثناء ترک کر کے ہم نے نافرمانی کی۔ ابن کیسان نے کہا: ہم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر سرکشی کی، ہم نے ان کا شکر یہ ادا نہ کیا جس طرح ہمارے آباء نے اس سے پہلے نعمتوں پر شکر ادا کیا تھا(3)۔

عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ انہوں نے معاہدہ کیا اور کہا: اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بہتر عطا فرمایا تو ہم وہ کچھ کریں گے جس طرح ہمارے آباء نے کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی اور آہ وزاری کی تو اللہ تعالیٰ نے اسی رات اس باغ سے بہتر عطا فرمادیا اور جبرائیل امین کو حکم دیا کہ اس جلے ہوئے باغ کو اکھاڑے اور شام کے علاقہ میں زغر کے مقام پر لگادے اور شام کے علاقہ سے ایک باغ لے اور اس جلے ہوئے باغ کی جگہ لگادے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قوم نے اخلاص کا مظاہرہ کیا(4)، اللہ تعالیٰ نے ان کی سچائی کو پہچان لیا اور بدلے میں ایک باغ عطا فرمادیا جسے حیوان کہتے۔ اس میں انگور تھے، خچر اس کے ایک گچھے کو اٹھاتا تھا۔ یمانی ابو خالد نے کہا: میں اس باغ میں داخل ہوا تو میں نے اس میں ہر گچھا ایسے دیکھا جس طرح ایک حبشی مرد کھڑا ہو۔ حضرت حسن بصری نے کہا: باغ والوں کا یہ قول اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ میں نہیں جانتا کہ یہ ان کی جانب سے ایمان تھا یا مشرکین کا وہ قول تھا جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی تو وہ یہ قول کرتے(5)۔ ان کے ایمان دار ہونے میں توقف کیا جائے گا۔

قتادہ سے باغ والوں کے بارے میں پوچھا گیا: کیا وہ جنتی ہیں یا دوزخی؟ فرمایا: تو نے مجھے تھکا دیا ہے، اکثر لوگ یہ کہتے ہیں: انہوں نے توبہ کی اور اخلاص کا مظاہرہ کیا: قشیری نے اسے بیان کیا ہے عام قرات يبدلنا ہے اہل مدینہ اور ابو عمرو نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تبدیل سے مراد شی کو تبدیل کرنا یا اس کی حالت کو بدل دینا جبکہ شئی کی ذات اپنی جگہ پر قائم رہے اور ابدال سے مراد ہے کسی شی کو اٹھانا اور کسی دوسری چیز کو اس کی جگہ رکھنا۔ سورۂ نساء

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 433 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً
4۔ ایضاً، جلد 5، صفحہ 434 5۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 434

میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

''(دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب، اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، کاش! یہ لوگ اس حقیقت کو جانتے''۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ یعنی دنیا کا عذاب اور اموال کی ہلاکت؛ یہ ابن زید سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اہل مکہ کو نصیحت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے خشک سالی میں مبتلا کیا تھا یعنی ہم ان کے ساتھ دنیا میں اسی قسم کا معاملہ کریں گے جو بھی ہماری حدود کو پامال کرے گا(1)۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ اہل مکہ کے لئے مثال ہے جب وہ بدر کی طرف نکلے اور انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو قتل کریں گے اور مکہ کی طرف لوٹیں گے یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کا طواف کریں گے، شراب پئیں گے اور لونڈیاں ان کے پاس نغمے گائیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کو الگ کر دیا، انہیں گرفتار کر لیا گیا، انہیں قتل کر دیا گیا اور ان باغ والوں کی طرح انہیں شکست کھانا پڑی جب باغ والے فصل کاٹنے کے لئے نکلے تھے اور خائب و خاسر ہوئے۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: وہ حق جسے باغ والوں نے مساکین سے روکا تھا، اس بارے میں احتمال ہے کہ ان پر واجب ہو اور یہ احتمال ہے کہ وہ نفل ہو۔ پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت مکی ہے تو آیت کو اہل مکہ پر جو قحط آیا یا غزوہ بدر میں جو انہیں قتل کیا گیا اس پر محمول کرنا ممکن نہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۳۴ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝۳۵ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۶ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝۳۷ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝۳۸ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝۳۹

''بے شک پرہیز گاروں کے لئے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کریں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو کہ تمہارے لئے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو؟ کیا تمہارے لئے قسمیں ہم پر (لازم) ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے؟''۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۳۴ اس بارے میں قول پہلے گزر چکا ہے یعنی متقین کے لئے آخرت میں ایسی جنتیں ہیں جن میں خالص نعمتیں ہیں، ان میں کسی ایسی چیز کی آمیزش نہ ہو گی جو ان نعمتوں کو بد مزہ کرے جس طرح وہ دنیا کی نعمتوں کو بد مزہ کرتی تھی۔ قریش کے سردار دنیا میں اپنا حصہ دیکھتے تھے اور مسلمانوں کا حصہ کم دیکھتے تھے جب وہ آخرت کی کوئی بات سنتے اور اللہ تعالیٰ نے مومنین سے جو وعدے کئے ان کو سنتے تو کہتے: اگر یہ بات درست ہو گی کہ ہمیں دوبارہ زندہ کیا

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 434

جائے گا جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی گمان کرتے ہیں تو ہمارا اور ان کا حال نہ ہوگا مگر اسی طرح جس طرح دنیا میں حال ہے ورنہ وہ ہم پر زائد نہ ہوں اور نہ انہیں ہم پر فضیلت ہوگی۔ آخری حد یہی ہوگی کہ وہ ہمارے برابر ہوں گے۔ فرمایا: اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مجرمین سے مراد کفار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے کہا: کفار مکہ نے کہا: آخرت میں ہمیں اس سے بہتر دیا جائے گا (1) جو تمہیں دیا جائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ پھر انہیں شرمندہ کیا اور فرمایا: مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کس طرح کا میڑھا حکم لگاتے ہو۔ جزا کا معاملہ تمہارے سپرد ہے یہاں تک کہ تم اس میں فیصلہ کرتے ہو جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے لئے اس میں بھلائی ہے جیسی مسلمانوں کے لئے ہے۔

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ۝ کیا تمہارے لئے کتاب ہے جس میں تم مطیع کو عاصی کی طرح پاتے ہو اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝ تم پسند کرتے ہو اور تم اسے چاہتے ہو۔ اصل میں ان فتح کے ساتھ تھا لیکن خبر پر لام مفتوح آنے کی وجہ سے اسے کسرہ دیا، تو کہتا ہے: علمتُ أنك عاقل اور علمتُ أنك لعاقل۔ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝ میں عامل تَدْرُسُوْنَ ہے۔ لام ان کے ہمزہ کے فتح کے مانع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَدْرُسُوْنَ پر کلام مکمل ہوگئی پھر نئی کلام شروع کی اور کہا: اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝ کتاب میں تمہارے لئے وہ ہو جو تم پسند کرتے ہو یعنی تمہارے لئے ایسا نہیں دونوں فِيْهِ میں ضمیر کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے پھر توبیخ میں یہ اضافہ کیا اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ یعنی پختہ وعدے ہیں۔ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ ہم پر پختہ ہیں بالغہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی جانب سے موکد ہیں، یعنی تمہارے حق میں اللہ تعالیٰ پر پختہ وعدے ہیں جن کی وجہ سے تم نے یقین کر لیا ہے کہ وہ تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔

اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝ خبر پر لام آنے کی وجہ سے اِنَّ کے ہمزہ کو کسرہ دیا۔ اس کلام کا تعلق ایمان کے ساتھ ہے محل نصب کا ہے لیکن لام کی وجہ سے کسرہ دیا گیا۔ تو کہتا ہے: حلفت أن لك كذا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ پر مکمل ہوگی، پھر فرمایا: اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝ یعنی معاملہ ایسا نہیں۔ ابن یزید نے اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۝ اور اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۝ دونوں میں استفہام کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت حسن بصری نے بالغۃ نصب کے ساتھ حال پڑھا ہے یا تو یہ لَكُمْ کی ضمیر سے حال ہے کیونکہ یہ ایمان کی خبر ہے کیونکہ اس میں ایک ضمیر ہے جو اس کے مناسب ہے یا یہ علینا کی ضمیر سے حال ہے اگر آپ علینا کو ایمان کی صفت بنائیں ایمان کی ذات کے متعلق نہ کریں، کیونکہ اس میں ایک ضمیر ہے جو اس کے مناسب ہے جس طرح جب یہ خبر بنے تو اس وقت اس میں ضمیر تھی۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ایمان سے حال ہو اگرچہ ایمان نکرہ ہے جس طرح انہوں نے حقا کو نصب دی جو متاع سے حال ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرۃ) عام قرات بالغۃ رفع کے ساتھ ہے یہ ایمان کی صفت ہے۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝ۚ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 101

''ان سے پوچھیے: ان میں سے کون ان (بے سروپا) باتوں کا ضامن ہے؟ کیا ان کے پاس کوئی گواہ ہیں، اگر ہیں تو پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو اگر وہ سچے ہیں''۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے پوچھئے جو میرے بارے میں خود ساختہ باتیں کرتے ہیں جس بات کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اس کا کوئی ضامن ہے کہ کفار کے لئے بھی وہ بھلائی ہے جو مسلمانوں کے لئے ہے۔ زعیم سے مراد کفیل اور ضامن ہے(1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کا قول ہے۔ ابن کیسان نے کہا: یہاں زعیم سے مراد حجت قائم کرنے والا اور دعویٰ کرنے والا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: زعیم سے مراد رسول ہے(2)۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ اصل کلام یہ ہے الهم شركاء یہاں میم زائد ہے، شركاء کا معنی شهداء ہے۔ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ جوانہوں نے گمان کیا ہے اس پر گواہی دیں ایسے گواہ لے آئیں۔ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۝ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ان کے لئے ممکن ہو تو وہ اپنے شریک لے آئیں۔ یہ ایسا امر ہے جس کا معنی عجز کا اظہار ہے۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۗ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۝

''جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک ساق سے تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کرسکیں گے، ندامت سے جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں ان پر ذلت چھا رہی ہوگی حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف جبکہ وہ صحیح سلامت تھے''۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ یہ جائز ہے کہ يَوْمَ میں عامل فَلْيَاْتُوْا ہو۔ انہیں چاہیے کہ اپنے شریک بلالیں جس روز پنڈلی سے کپڑا اٹھایا جائے گا تا کہ شرکاء ان کے حق میں سفارش کریں۔ یہ بھی جائز ہے کہ ایک فعل مضمر کے ساتھ یوم کو نصب دی جائے تقدیر کلام یہ ہوگی اذکر یوم یکشف عن ساق اس صورت میں صٰدِقِيْنَ پر عطف ہوگا پہلی تقدیر کی صورت میں اس پر وقف نہیں ہوگا۔ ات یوم نکشف بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یوم تکشف عن ساق پڑھا ہے اس صورت میں فعل معروف ہوگا۔ تكشف الشدة أو القيامة عن ساقها جس طرح عربوں کا قول ہے شَمَّرَتِ الحربُ عن ساقها جنگ نے پنڈلی سے پردہ ہٹالیا یعنی جنگ سخت ہوگئی۔

شاعر نے کہا:

فتى الحرب إن عضّت به الحربُ عضّها و إن شمّرت عن ساقها الحَرْبُ شمّرا (3)

وہ جنگجو ہے اگر جنگ اسے کاٹے تو وہ اسے کاٹتا ہے اور اگر جنگ پنڈلی سے پردہ ہٹالے تو وہ بھی پنڈلی سے پردہ ہٹا دیتا ہے۔

راجز نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 70 2۔ ایضاً

3۔ انظر کرہ، اذا کان یوم القیامة تتبع کل امة، جلد 2، صفحہ 22

قد کشفت عن ساقها فشُدُّوا و جَدّت الحربُ بکم فَجِدُّوا (1)

جنگ سخت ہوگئی پس تم بھی سخت ہو جاؤ جنگ نے تمہارے ساتھ سختی کی پس تم بھی سختی کرو۔

ایک اور شاعر نے کہا:

کشفت لهم عن ساقها و بدا من الشرّ الصُّراحُ (2)

اس نے ان کے لئے پنڈلی کو ظاہر کر دیا اور واضح شر ظاہر ہوگئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے یکشف مجہول کا صیغہ پڑھا ہے۔ یہ قرات یکشف کے معنی کی طرف راجع ہے گویا فرمایا: یوم تکشف القیامۃ عن شدۃ اسے یوم تکشف بھی پڑھا گیا ہے اس وقت یہ اکشف سے مشتق ہوگا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ کشف میں داخل ہو۔ اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اکشف الرجل فهو مکشف جب اس کا اوپر والا ہونٹ الٹ جائے۔ ابن مبارک نے ذکر کیا ہے کہ اسامہ بن زید نے عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یَوْمَ یُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ جس روز کرب اور شدت عیاں ہو جائے گی (3)۔ ابن جریج نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: شدت امر۔ مجاہد نے کہا: قیامت کے روز یہ سب سے مشکل ساعت ہو گی (4)۔ ابوعبیدہ نے کہا: جب جنگ اور امر شدید ہو گا (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امر اپنی اصل سے ظاہر ہو گا۔ اس میں اصل یہ ہے جو آدمی کسی ایسے امر میں واقع ہو جس میں اسے محنت و کاوش کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اپنی پنڈلی سے کپڑا اٹھا لیتا ہے۔ ساق اور کشف کا لفظ اس کے لئے بطور مجاز استعمال ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساق الشئ سے مراد اس کی اصل ہے جس پر اس کا انحصار ہوتا ہے جس طرح ساق شجر اور ساق انسان۔ مراد ہو گا جس روز معاملہ کی حقیقت کو ظاہر کر دیا جائے گا تو امور کے حقائق اور ان کی اصل ظاہر ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم کی اصلیت ظاہر کر دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرش کی اصلیت کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد موت کے وقت کا قریب آنا اور بدن کا کمزور ہونا یعنی مریض اپنی پنڈلی ننگی کرے گا تاکہ اپنا ضعف دیکھے، موذن اس کو نماز کی دعوت دے گا تو اس کے لئے کھڑا ہونا اور نکلنا ممکن نہ ہو گا۔ جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی سے پردہ ہٹائے گا'' اللہ تعالیٰ اعضاء، ابعاض، پردہ ہٹانے اور پردہ ڈالنے سے برتر ہے اس صورت میں اس کا معنی ہو گا وہ عظیم امر کو ظاہر کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے نور سے پردہ ہٹائے گا۔ حضرت ابو موسیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ عَنْ سَاقٍ سے مراد ہے وہ عظیم نور سے پردہ ہٹائے گا تو لوگ اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے (6)۔ ابو لیث سمرقندی نے اپنی تفسیر میں روایت نقل کی ہے کہ خلیل بن احمد، ابن منیع سے وہ ہدبہ سے وہ حماد بن سلمہ سے وہ عدی بن زید سے وہ عمارہ قرشی سے وہ ابو بردہ سے وہ ابو موسیٰ سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا (7): ''جب قیامت کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 71 2۔ ایضاً 3۔ التذکرہ، اذا کان یوم القیامۃ تتبع کل امۃ ما کانت تعبد، جلد 2، صفحہ 22
4۔ ایضاً 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً، صفحہ 24 7۔ ایضاً

دن ہوگا تو ہر قوم کے لئے اس چیز کا مثالی جسم بنایا جائے گا جس کی وہ دنیا میں عبادت کرتے تھے ہر قوم اس کے پیچھے چلی جائے گی جس کی وہ عبادت کیا کرتے تھے اہل توحید وہیں رہ جائیں گے ان سے کہا جائے گا: تم کس کا انتظار کر رہے ہو جبکہ لوگ جا چکے ہیں؟ وہ کہیں گے: ہمارا ایک رب تھا جس کی دنیا میں ہم عبادت کرتے تھے ہم نے اسے دیکھا نہیں تھا فرمایا: جب تم اسے دیکھو گے تو اسے پہچان لو گے؟ وہ عرض کریں گے: ہاں۔ انہیں کہا جائے گا: تم کیسے اسے پہچان لو گے جبکہ تم نے اسے دیکھا ہی نہیں؟ وہ عرض کریں گے: اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ ان کے سامنے سے حجاب ہٹا دیا جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے، تو اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ کچھ لوگ رہ جائیں گے ان کی پشتیں گائے کے سینگوں کی طرح ہونگی وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے تو اس کی طاقت نہ رکھیں گے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝ کا یہی معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: میرے بندو! اپنے سروں کو اٹھالو میں نے تمہارے ہر آدمی کے بدلے یہود و نصاریٰ میں ایک آدمی جہنم کے لئے بنا دیا ہے"۔

ابو بردہ نے کہا: میں نے یہ حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بیان فرمائی حضرت عمر نے فرمایا: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کیا تیرے باپ نے تجھے یہ حدیث بیان کی ہے؟ ابو بردہ نے تین دفعہ قسم اٹھائی۔ حضرت عمر نے فرمایا: میں نے اہل توحید کے بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی جو مجھے اس حدیث سے زیادہ محبوب ہو۔

قیس بن سکن نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس یہ بیان کیا: جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ چالیس سال تک رب العالمین کے لئے کھڑے رہیں گے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوں گی جو آسمان کی طرف اٹھی ہوں گی، وہ ننگے پاؤں ہوں گے، ننگے بدن ہوں گے، پسینہ ان کے منہ تک پہنچ رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان سے نہ کلام کرے گا اور نہ نظر رحمت فرمائے گا پھر ایک منادی کرنے والا منادی کرے گا: اے لوگو! کیا تمہارے اس رب کی جانب سے یہ عدل نہیں ہو گا جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہاری تصویر بنائی، تمہیں موت عطا کی، تمہیں زندہ کیا پھر تم نے کسی اور چیز کی عبادت کی کہ ہر قوم کو اسی طرف جانے دے جس طرف وہ خود پھرے ہیں؟ لوگ عرض کریں گے: ہاں۔ فرمایا: ہر قوم کے لئے اسے بلند کیا جائے گا جس کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا پوجا کیا کرتے تھے وہ اس کی اتباع کریں گے یہاں تک کہ انہیں جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ مسلمان اور منافق وہاں ہی کھڑے رہیں گے۔ انہیں کہا جائے گا: کیا تم نہیں جاؤ گے جبکہ لوگ تو جا چکے ہیں؟ وہ کہیں گے: یہاں تک کہ ہمارا رب آئے۔ انہیں کہا جائے گا: کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اس نے ہمیں پہچان کرائی تو ہم پہچان لیں گے۔ اس موقع پر ساق (عظیم نور) سے پردہ ہٹایا جائے گا تو جو بھی اخلاص کے ساتھ عبادت کیا کرتا تھا تو وہ سجدہ ریز ہو جائے گا منافق اسی طرح رہیں گے وہ اس کی طاقت نہ رکھیں گے گویا ان کی پشتوں میں ایسی سلاخیں ہیں جن پر گوشت بھونا جاتا ہے، انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور سجدہ کرنے والے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّ یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۝ سے یہی مراد ہے۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں ذلیل اور جھکی ہوں گی۔ اسے حال ہونے کی وجہ سے نصب دی گئی ہے۔ تَرْهَقُهُمْ

ذِلَّةٌ ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مومنین اپنے سر اوپر اٹھائیں گے جبکہ ان کے چہرے برف سے بھی زیادہ سفید ہوں گے منافقوں اور کافروں کے چہرے سیاہ ہونگے یہاں تک کہ وہ تارکول سے زیادہ سیاہ ہوں گے (1)۔

میں کہتا ہوں: حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابن مسعود کی احادیث کے معنی صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری کی حدیث اور دوسری احادیث سے ثابت ہیں۔ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ۞ انہیں دنیا میں سجدہ کی دعوت دی جاتی تھی جبکہ وہ صحت مند تھے۔ ابراہیم تیمی نے کہا: اذان اور اقامت کے ساتھ انہیں دعوت دی جاتی تھی تو وہ اس کا انکار کر دیتے تھے۔ سعید بن جبیر نے کہا: حی علی الفلاح کی ندا سنتے تھے تو وہ اس کا جواب نہ دیتے تھے (2)۔ کعب الاحبار نے کہا: اللہ کی قسم! یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جماعت سے پیچھے رہ جاتے ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد ہے شرع میں جس امر کا انہیں مکلف بنایا گیا ہے اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ سورۂ بقرۃ میں نماز باجماعت کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ربیع بن خیثمہ کو فالج کی تکلیف ہوئی تو دو آدمیوں کے سہارے انہیں مسجد کی طرف لے جایا جاتا تھا کہا گیا: اے بایزید! کاش آپ گھر میں ہی نماز پڑھ لیتے آپ کے لئے رخصت تھی۔ فرمایا: جس نے حی علی الفلاح کی آواز سنی تو اس پر لازم ہے کہ وہ لبیک کہے اگرچہ گھٹنوں کے بل چل کر جانا پڑے۔ حضرت سعید بن مسیب سے کہا گیا: طارق تجھے قتل کرنا چاہتا ہے اس لئے چھپ جا فرمایا: کیا ایسی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ مجھ پر قدرت نہیں رکھے گا؟ ان سے کہا گیا: اپنے گھر میں بیٹھ رہو۔ فرمایا: میں حی علی الفلاح کی آواز سنوں اور اس پر لبیک نہ کہوں؟

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ۭ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۞

"پس اے حبیب! آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے، ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہوا اور میں نے (سردست) انہیں مہلت دے رکھی ہے، میری خفیہ تدبیر بڑی پختہ ہے"۔

فَذَرْنِيْ مجھے چھوڑ دیجئے وَمَنْ يُّكَذِّبُ من مفعول معہ ہے یا ضمیر متکلم پر معطوف ہے بِهٰذَا الْحَدِيْثِ مراد قرآن حکیم ہے؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد یوم قیامت ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے یعنی میں انہیں اجازت دیتا ہوں اور ان سے انتقام لیتا ہوں۔ پھر فرمایا: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ اس کا معنی ہے ہم اس کی غفلت میں اسے پکڑ لیں گے جبکہ وہ پہچانتے تک نہ ہوں گے پس انہیں بدر کے دن عذاب میں مبتلا کیا گیا (4)۔ حضرت سفیان ثوری نے کہا: ہم ان پر نعمتیں بہائیں گے اور شکر کرنا انہیں بھلا دیں گے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: کتنے ہی لوگ ہیں جن پر احسان کرنے کے ساتھ ان کے ساتھ استدراج کیا جاتا ہے (5)؟ کتنے ہی لوگ ہیں جن کی تعریف کر کے انہیں آزمائش میں

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 438
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 72
5۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 188

ڈالا جاتا ہے؟ کتنے ہی افراد ہیں جن کے عیبوں پر پردہ ڈالا جاتا ہے تو وہ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں؟ ابوروق نے کہا: جب بھی وہ غلطی کرتے ہیں ہم ان پر ایک نئی نعمت کرتے ہیں اور استغفار ان سے بھلا دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم ان کے ساتھ مکر کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم ان کو تھوڑا پکڑ کریں گے اور اچانک ان کو اپنی گرفت میں نہیں لیں گے۔ ایک حدیث میں ہے "بنی اسرائیل کے ایک آدمی نے عرض کی: اے میرے رب! میں نے تیری کتنی ہی نافرمانیاں کیں تو نے مجھے سزا نہ دی؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانہ کے نبی کی طرف وحی کی اس آدمی سے کہو: میری کتنی ہی تیرے لیے سزائیں ہیں جن کا تو شعور تک نہیں رکھتا، بے شک تیری آنکھوں کا (خوف الٰہی میں رونے سے) خشک ہو جانا اور تیرے دل کی سختی میری جانب سے استدراج ہے اور سزا ہے اگر تو سمجھے"۔ استدراج کا معنی جلدی کو ترک کرنا ہے، اس کا اصل معنی ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ہے جس طرح تدرج ہوتا ہے اسی سے درجة ہے یہ ایک منزل کے بعد دوسری منزل ہے۔ استدرج فلان فلانا فلاں نے فلاں سے چیز آہستہ آہستہ نکالی۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: درجه إلى كذا، إستدرجه دونوں کا معنی ایک ہے۔ اس نے تدریجاً اسے اپنے قریب کیا تو وہ قریب ہو گیا۔

وَ اُمْلِیْ لَهُمْ میں انہیں مہلت دوں گا اور مدت کو ان کے لئے لمبا کر دوں گا۔ ملاوۃ زمانے کی ایک مدت کو کہتے ہیں۔ أملى الله له اس کو لمبا کر دیا۔ فلوان سے مراد رات اور دن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: و املی لهم میں جلدی انہیں موت نہیں دوں گا۔ معنی ایک ہی ہے۔ سورۃ الاعراف میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ اِنَّ كَیْدِیْ مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾ میرا عذاب قوی اور شدید ہے کوئی مجھ پر غالب نہیں آ سکتا۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾

"آیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں پس وہ اس تاوان (کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں"۔

کلام اسی طرف راجع ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ کیا تم ان سے ثواب کے طالب ہو اس بات پر جو آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہو۔ وہ اس چٹی میں پڑے ہوئے ہیں وہ اس بوجھ کے نیچے دبے چلے جا رہے ہیں جو انہیں مال خرچ کرنا پڑتا ہے یعنی ان پر کوئی مشقت نہیں بلکہ وہ آپ کی متابعت کے ذریعے زمین کے خزانوں کے مالک بن جائیں گے اور جنات نعیم تک پہنچ جائیں گے۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

"کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں"۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ جو چیز ان سے غائب ہے اس کا علم ان کے پاس ہے فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو وہ کہتے ہیں کیا اس کے باعث ان پر وحی نازل کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں غیب سے مراد لوح محفوظ ہے کیا وہ لوح محفوظ سے لکھتے ہیں جس کے بارے وہ آپ سے مخاصمت کرتے ہیں اور وہ لکھتے ہیں کہ وہ آپ سے افضل ہیں اور انہیں سزا نہ دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یَكْتُبُوْنَ کا معنی ہے وہ اپنے بارے میں وہ فیصلہ کرتے ہیں جس کا وہ

ارادہ کرتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ ۘ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ۞

''پس انتظار فرمایئے اپنے رب کے حکم کا اور نہ ہو جایئے مچھلی والے کی مانند جب اس نے پکارا اور وہ غم واندوہ سے بھرا ہوا تھا''۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے رب کے فیصلہ پر صبر کیجئے (1)۔ یہاں حکم، قضا کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رسالت کی تبلیغ کا حکم دیا ہے اس پر صبر کیجئے۔ ابن بحر نے کہا: اپنے رب کی نصرت (میں تاخیر) پر صبر کیجئے۔ قتادہ نے کہا: جلدی نہ کیجئے اور ناراض نہ ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد ضرور کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہے۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں یعنی غضب، اندرونی پریشانی اور جلد بازی میں حضرت یونس علیہ السلام کی طرح نہ ہو جایئے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کرتا ہے اور صبر کا حکم دیتا ہے جس طرح صاحب حوت نے جلدی کی اللہ کا رسول جلدی نہیں کرتا (2)۔ اس کی وضاحت سورۂ یونس، سورۂ انبیاء اور سورۂ صافات میں گزر چکی ہے۔ ذی اور صاحب کی اضافت کے بارے میں گفتگو سورۂ یونس میں گزر چکی ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔

إِذْ نَادَىٰ جب حضرت یونس نے مچھلی کے پیٹ میں دعا کی لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۞ (3)۔

وَهُوَ مَكْظُومٌ ۞ وہ غم سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ کرب سے بھرے ہوئے تھے۔ پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرا مجاہد کا ہے۔ دوسرا قول عطا اور ابو مالک کا ہے۔ ماوردی نے کہا: دونوں میں فرق یہ ہے کہ غم دل میں ہوتا ہے اور کرب انفاس میں ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مکظوم کا معنی محبوس ہے۔ کظم کا معنی حبس ہے یعنی روکنا۔ اسی معنی میں یہ قول ہے: فلانٌ كَظَمَ غيظه فلان نے اپنا غصہ روک لیا؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کظمہ سے ماخوذ ہے اس سے مراد نفس کی نالی ہے؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ یہ اور دوسری چیزیں سورۂ یوسف میں گزر چکی ہیں۔

لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ۞ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۞

''اگر اس کی چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان میں دراں حالیکہ اس کی مذمت کی جاتی۔ پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے''۔

لَّوْلَا أَن تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّن رَّبِّهِ عام قرات تَدَارَكَهُ ہے۔ ابن ہرمز اور حضرت حسن بصری نے تدارکہ پڑھا ہے۔ یہ مضارع کا صیغہ ہے اس کی تاء کو دال میں ادغام کیا گیا ہے یہ حال کی حکایت کی تقدیر پر ہے۔ گویا فرمایا: لولا ان كان يقال

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 73 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

فیہ تتدارکہ نعمۃ۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے تدارکتہ پڑھا ہے یہ متن کی کتابت کے خلاف ہے تدارکہ فعل ماضی ہے مذکر ہے نعمۃ کے معنی پر محمول ہے کیونکہ نعمۃ کی تانیث غیر حقیقی ہے تدارکہ نعمۃ کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ نعمۃ کے معنی میں یہاں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی نبوت ہے، یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد وہ عبارت ہے جو پہلے گزر چکی؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد آپ کی یہ دعا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ٭ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ یہ ابن زید کا قول ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نعمت سے مراد مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالنا ہے؛ یہ ابن بحر کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد رب کی رحمت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور ان پر نظر شفقت فرمائی۔

لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ تو انہیں پھینکا جاتا جبکہ وہ مذموم ہوتے لیکن انہیں پھینکا گیا جبکہ وہ بیمار تھے اور مذموم نہیں تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول میں مذموم کا معنی ملیم (ملامت کیا گیا) ہے۔ بکر بن عبد اللہ نے کہا: اس کا معنی گناہگار ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مذموم کا معنی ہر بھلائی سے دور کیے گئے۔ العراء سے مراد ایسی وسیع زمین ہے جس میں پہاڑ اور درخت نہ ہوں جو اس زمین کو ڈھانپ سکیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہوتے پھر انہیں قیامت کے میدان میں مذموم پھینک دیا جاتا اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (الصافات)۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ اسے پسند کیا اور اسے اختیار کیا۔ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ نے ان کی طرف وحی لوٹا دی آپ کی ذات اور ان کی قوم کے بارے میں آپ کی سفارش کو قبول فرمایا اور ان کی توبہ کو قبول کیا فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ سے مراد ہے آپ کو ایک لوگوں سے زائد افراد کی طرف نبی بنا کر مبعوث کیا۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝

''اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفار پھسلا دیں گے آپ کو اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے''۔

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، ان یہ مثقلہ سے مخففہ ہے لَيُزْلِقُوْنَكَ یعنی وہ آپ کو نظر لگائیں۔ بِاَبْصَارِهِمْ اس امر کی خبر دی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شدید عداوت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ آپ کو نظر لگائیں (4) تو قریش میں سے چند لوگوں نے آپ کو دیکھا اور انہوں نے کہا: ہم نے آپ کی مثل نہیں دیکھا اور ان کے جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بنی اسد میں نظر لگانے کا عام رواج تھا یہاں تک کہ موٹی گائے یا موٹی اونٹنی ان میں سے کسی کے پاس سے گزرتی تو وہ اس کو نظر لگاتے پھر وہ کہتے: اے لونڈی! ٹوکرا اور درہم لو اور اس اونٹنی کا گوشت لے آؤ۔ وہ اسی حال میں ہوتی کہ موت کے لیے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 73　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 74　4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 438

گر پڑتی تو اسے نحر کر دیا جاتا۔ کلبی نے کہا: عربوں میں سے ایک آدمی تھا جو دو یا تین دن کھانا نہ کھاتا پھر خیمہ کا پردہ اٹھاتا اس کے پاس اونٹ یا بکری گزرتی تو وہ کہتا: میں نے اس سے بہتر اونٹ اور بکری نہیں دیکھی (1)۔ تھوڑی دور ہی وہ چیز جاتی یہاں تک کہ وہ چیز گر جاتی۔ کفار نے اس آدمی سے سوال کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگائیں اس نے ان کی بات مان لی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے تو اس نے یہ شعر پڑھا:

قد كان قومك يحسبونك سيدًا و إخال أنك سيدٌ معْيونُ

تیری قوم تجھے سردار گمان کرتی ہے جبکہ میرا خیال ہے کہ تو ایسا سردار ہے جس کو نظر لگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس سے محفوظ رکھا، تو یہ آیت نازل ہوئی وَ اِنۡ یَّکَادُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَیُزۡلِقُوۡنَکَ؛ اسی کی مثل ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ عربوں میں یہ معمول تھا جب ان میں سے کوئی نظر لگانا چاہتا وہ اس کی ذات میں ہو یا مال میں وہ تین دن تک بھوکا رہتا (2) پھر وہ اس کے مال اور نفس کا سامنا کرتا تو وہ کہتا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے زیادہ قوی، اس سے زیادہ بہادر، اس سے زیادہ مالدار اور اس سے زیادہ خوبصورت نہیں دیکھا تو اسے نظر لگ جاتی تو وہ اس کا مال ہلاک ہو جاتا اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کو نازل فرمایا۔ قشیری نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ نظر اس وقت لگتی ہے جب کسی چیز کو اچھا خیال کیا جائے اور اس پر تعجب کا اظہار کیا جائے ناپسندیدگی اور بغض کی وجہ سے نظر نہیں لگتی؛ اسی وجہ سے فرمایا: یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّہٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ۞ یعنی وہ آپ کی نسبت جنون کی طرف کرتے ہیں۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب آپ قرآن پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: مفسرین اور لغت کے علماء کے اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں جو ہم نے ذکر کیا ہے نظر سے ان کی مراد سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا تھا۔ کسی شی کو ناپسند کرنا اس امر کے مانع نہیں کہ دشمنی کی وجہ سے کسی کو نظر لگائی جائے یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اعمش، ابو سلام اور مجاہد نے لیزھقونک پڑھا ہے (3) یعنی تاکہ وہ آپ کو ہلاک کریں۔ یہ قرات تفسیر کے طریقہ پر ہے یہ زهقت نفسه أزهقها سے مشتق ہے اہل مدینہ نے لیزلقونک کو یاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہم معنی ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: زَلَقَهُ، یَزۡلِقُهُ، أَزۡلَقَهُ یُزۡلِقُهُ إِزۡلَاقًا جب اسے ایک طرف کر دیا اور اسے دور کر دیا۔ زلق رأسه يزلقه زلقا۔ جب اس کا حلق کیا، اسی طرح ازلقه اور زلقه تزليقا ہے رجل زلق و زُمَلِق جس کی مثل هُدَبِه ہے اس کی جمع زمالق اور زُمَلِق ہے اس سے مراد وہ مرد ہے جس کو جماع سے قبل انزال ہو جائے۔ اسے جوہری اور دوسرے علماء نے حکایت کیا ہے۔ کلمہ کا معنی ہوگا ایک طرف کرنا اور زائل کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ چیز نہیں ہوگی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی صورت میں واقع ہوگی۔

ہروی نے کہا: ارادہ کیا کہ وہ اپنی نظروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر لگائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مقام سے زائل کر دیں جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا کیا ہے وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اپنی

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 439 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 255 3۔ تفسیر طبری، جلد 5، صفحہ 56

نظروں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کر دیں (1) یہ جملہ بولا جاتا ہے: زلق السھم وزھق جب تیر آر پار ہو جائے؛ یہ مجاہد کا قول ہے: وہ اپنی نظر کی شدت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہلاک کر دیں (2)۔ کلبی نے کہا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھاڑ دیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے نیز سدی اور سعید بن جبیر نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھیر دیں۔ عوفی نے کہا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیر ماریں۔ مورج نے کہا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھسلا دیں۔ نضر بن شمیل اور اخفش نے کہا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتنہ میں ڈال دیں۔

عبدالعزیز بن یحییٰ نے کہا: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترچھی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: تاکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مس کریں۔ امام جعفر صادق نے کہا: تاکہ وہ آپ کو کھا جائیں۔ حضرت حسن بصری اور ابن کیسان نے کہا: تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: صرعنی بطرفہ، قتلنی بعینہ اس نے مجھے اپنی نظر سے پچھاڑ دیا اور اس نے مجھے اپنی نظر سے قتل کر دیا۔

شاعر نے کہا:

يتقارضون إذا التقوْا في مجلس نظرًا يُزِل مواطئ الأقدام(3)

جب وہ کسی مجلس میں ملتے ہیں وہ گھور کر ایسی نظر سے دیکھتے ہیں جو قدموں کو اپنی جگہ سے ہلا کر رکھ دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وہ تیری طرف عداوت سے دیکھتے ہیں یہاں تک کہ قریب ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دیں۔ یہ سب اسی طرف راجع ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ جامع معنی یہ ہے وہ تجھے نظر لگاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے لیے وجہ عز و شرف یعنی قرآن نہیں ہے مگر جہانوں کے لیے نصیحت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں مگر جہانوں کے لیے نصیحت جس سے وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی شرف ہے یعنی قرآن شرف ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ** (الزخرف: 44) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی جہانوں کے لیے نصیحت ہیں (4)۔ جہان کے لوگ آپ کی اتباع کر کے اور آپ پر ایمان لا کر شرف والے ہو گئے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 439
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 74
3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 354
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 74